فکر و نظر............ اسلام آباد جلد:۴۸ شمارہ:۴

مسلم ریاست میں غیر مسلم شہریوں کا تحفظ
جدید بین الاقوامی تصور اور عہد نبویؐ و عہد خلفائے راشدین کا تعامل

ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین☆

Abstract

Rights of minorities is a burning issue today among the debates on human rights. This article tries to explore the most appropriate form of the rights of the non muslim citizens of a muslim state wide a comperative discussion between the existing international law and the practices of the prophetic era and during the time of the rightly guided caliphs. The discussion undertakes the use of the word "monorities" and shows that it is not a respectful word for the citizens of a country. It has never been used in the Islamic history, rather the words of "one nation" as in the Madinah treaty and other respectful words like *"Ahl al-Dhimmah* (people of responsibility)" and "Ahl al- kitab (followers of the book)" have been used for non muslim citizens. Kinds of monorities have also been discussed and it is concluded that dividing the members of one nation into the minorities on ethnic, cultural and langual basis has no link with the human rights, rather it causes the tention and creates conflict between the members of a nation. The holy Prophet Muhammad (S.A.W,) scrupulously negated all kind of pride or preference on the basis of race, language and colour as it is clear from his sermon on the occasion of *Hijjatul wada'*. A comparison between the international charters and Islamic traditions has been made and it is concluded that Islam has from its very begining ensured the protection of human rights and given the non muslim citizens a respectful status and complete religious freedom.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

آج کل دنیا بھر میں حقوق کا بہت چرچا ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے حقوق کے مختلف منشور جاری ہوئے ہیں اور دنیا بھر کے ممالک کو ان کا پابند قرار دیا گیا ہے۔اس سلسلے میں اقوام متحدہ کے تحت جاری ہونے والا سب سے پہلا منشور Universal Declaration On Human Rights (UDHR) انسانی حقوق کا عالمی منشور ہے، جوکہ ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے جاری ہوا اور اردو میں اس کا آخری مستند متن محکمۂ اطلاعاتِ عامہ، اقوام متحدہ، نیویارک سے ۱۹۶۵ء میں جاری ہوا۔ اس کی کل ۳۰ دفعات ہیں۔ درجِ ذیل دفعات کو اقلیتوں اور اکثریت دونوں کے حقوق کا خلاصہ قرار دیا جاسکتا ہے:

دفعہ نمبرا۔ تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے ، اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ نمبر ۲۔(ا) ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا............

دفعہ نمبر ۳۔ ہر شخص کو اپنی جان،آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ نمبر ۵۔کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ' انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ نمبر۱۲۔کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی، اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

دفعہ نمبر۱۶۔(ا) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی نسل، قومیت یا مذہب کی بناء پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اورنکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں............

دفعہ نمبر ۱۸۔ ہر انسان کو آزادیٔ فکر، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب کو تبدیل کرنے اور پبلک میں نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔(۱)

اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں دو میثاق:International Covenent on Civil and Political Rights (ICCPR)یعنی بین الاقوامی میثاق برائے شہری و سیاسی حقوق اور International covenant On Economic,Social and Cultural Rights (ICESCR) یعنی بین الاقوامی میثاق برائے معاشی، معاشرتی اور تہذیبی حقوق جاری ہوئے۔ پہلے میں سیاسی اور شہری حقوق الگ الگ کرکے ذکر کئے گئے اوردوسرے میں معاشی، معاشرتی اور تہذیبی حقوق۔ ICCPR کل ۵۳ دفعات پر مشتمل ہے۔اس کی دفعات نمبر ۲، ۱۸، ۲۶ اور ۲۷ میں مذہبی آزادی کا بھی تذکرہ ہے جن کا خلاصہ دفعہ نمبر ۲۷میں درج ذیل الفاظ میں موجود ہے:

Article 27:

> In those States in which ethnic, religious or linguistic minorities exist, persons belonging to such minorities shall not be denied the right, in community with the other members of their group, to enjoy their own culture, to profess and practise their own religion, or to use their own language.
>
> ترجمہ دفعہ نمبر ۲۷: ایسی ریاستیں جن میں نسلی، مذہبی یا لسانی اقلیتیں موجود ہیں،ان اقلیتوں کے متعلقہ لوگوں کو اپنے مجموعے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اپنی تہذیب کو اختیار کرنے،اس کی تبلیغ کرنے ،اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنی زبان استعمال کرنے کے حق سے روکا نہیں جائے گا ۔(۲)

دوسرے میثاق:International covenant On Economic,Social and Cultural Rights (ICESCR)یعنی بین الاقوامی میثاق برائے معاشی، معاشرتی اور تہذیبی حقوق برائے ۱۹۶۶ء کی دفعات نمبر ۲، ۶، ۷، ۱۲، ۱۳، ۱۴ اور ۱۵کے عموم میں اقلیتیں بھی شامل ہیں اور دفعہ نمبر ۲ اور ۱۳ میں مذہبی اور لسانی بنیادوں پر کسی قسم کی حق تلفی کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر

i. Declaration on the elemination of all forms of Religions intollerance and of discrimination based on religion or belief ,1981

ii. Convention on the prevention and punishment of the crime of Genocide,1948

iii. U.N. Decleration on the Rights of Persons Belonging to National, or Ethnic,Religious and Linguistic minorities 1992

وغیرہ اقوام متحدہ کی طرف سے متعارف کروائے گئے ہیں، انہی کی روشنی میں کئی ممالک نے قومی سطح پر وثائق تیار کیے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ۔ ان سب کا خلا صہ ICCPR کی مذکورہ بالا دفعہ نمبر ۲۷ اور(ICESCR) کی درجِ ذیل دفعہ نمبر ۲ کو قرار دیاجاسکتاہے:

Article 2

2. The States Parties to the present Covenant undertake to guarantee that the rights enunciated in the present Covenant will be exercised without discrimination of any kind as to race, colour, sex, language, religion, political or other opinion, national or social origin, property, birth or other status.

ترجمہ دفعہ نمبر ۲: (۲)اس میثاق میں شامل تمام فریق ریاستیں عہد کرتی ہیں کہ اس میثاق میں بیان کیے تمام حقوق کی رنگ،نسل، جنس، لسان، مذہب، سیاسی یادیگر نقطۂ نظر قومی یامعاشرتی پس منظر، جائداد، پیدائش یا کسی بھی اور طرح کی بنیاد پر امتیاز ی سلوک کے بغیر ادائیگی کی ضمانت دیں گی۔

اقوام متحدہ نے ان حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے درج ذیل ادارے اور انجمنیں بھی قائم کی ہیں:

اقوام متحدہ کے منشور کی بناء پر قائم ہونے والے ادارے(Charter-based bodies)

•Human Rights Council مجلس حقوقِ انسانی

•Universal Periodic Review عالمی مجلّہ

•Commission on Human Rights (replaced by the Human Rights Council)حقوق انسانی کمیشن

•Special Procedures of the Human Rights Council خصوصی ضوابط برائے مجلس حقوق انسانی

معاہدوں کی بنا پر قائم ہونے والے ادارے(Treaty-based bodies)۔ اس طرح کے ادارے دس ہیں:

•Human Rights Committee (CCPR)مجلس حقوق انسانی

•Committee on Economic, Social and Cultural Rights (CESCR)

مجلس برائے معاشی ومعاشرتی و تہذیبی حقوق

•Committee on the Elimination of Racial Discrimination (CERD) مجلس برائے انسدادِنسلی امتیازات

•Committee on the Elimination of Discrimination against Women (CEDAW) مجلس برائے انسدادِ امتیازات در بارۂ خواتین

•Committee against Torture (CAT) مجلس برائے انسدادِ ایذاء رسانی

•Subcommittee on Prevention of Torture (SPT) ذیلی مجلس برائے انسدادِ ایذاء رسانی

•Committee on the Rights of the Child (CRC) مجلس تحفظ حقوقِ اطفال

•Committee on Migrant Workers (CMW) مجلس برائے مہاجر اہلکاراں

•Committee on the Rights of Persons with Disabilities (CRPD) مجلس برائے تحفظ خصوصی افراد

•Committee on Enforced Disappearance (CED) مجلس برائے زبردستی لاپتہ کیے گئے افراد

یہ ان حقوق کا خلاصہ اور ایسے اداروں کا تذکرہ ہے جو اقوام متحدہ کے بین الاقوامی ادارے کے زیر انتظام انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے عموماً اور مختلف طبقات کے حقوق کے تحفظ کے لیے خصوصا تشکیل دیے گئے۔ اقلیتوں کے حقوق کو ان میں خصوصی مقام حاصل ہے ۔ جب ہم جدیدبین الاقوامی تصور اور عہد نبویؐ و عہد خلفائے راشدین کے تعامل کے حوالے سے اس موضوع پر تحقیقی گفتگو کرتے ہیں تو اس سلسلے میں درج ذیل معروضات پرخصوصی توجہ کی ضرورت ہے:

۱۔ عربی زبان میں‌حق کے ذمہ دار کی تعیین کے لیے حق کے ساتھ علیٰ کا صلہ آتاہے، اورحق دار کی تعیین کے لیے حق کے ساتھ **لام** کا صلہ لایا جاتاہے ۔(۳)پہلے کی مثال ارشادِ باری تعالیٰ ﴿**ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره، متاعا بالمعروف حقا على المحسنين**﴾ [البقرۃ۲: ۲۳۶]،اور دوسرے کی مثال ارشادِ باری تعالیٰ﴿**وَفي اموالهم حق للسائل والمحروم**﴾ [الذاریات۵۱:۱۹] حق کی ادائیگی کے مغربی اور اِسلامی تصور میں فرق ہے، مغرب میں حق کے بارے میں مخاطب حق دار ہوتا ہے، اسی کو بتایا جاتا ہے کہ یہ تمہارا حق ہے اورتم اسے لے سکتے ہو، جب کہ اِسلام میں حق کے بارے میں مخاطب حق کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے اور یہ ذمہ داری کے معنی میں‌آتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے حق کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے: ﴿**ثم ننجى رسلنا والذين آمنوا كذلك ، حقا علينا ننجى المؤمنين**﴾ [یونس۱۰:۱۰۳] اسلام میں‌حق دار کو اسے اپنے حقوق خود حاصل کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی جاتی بلکہ حق کے ذمہ دار کو اس کی ادائیگی کا پابند بنایا جاتا ہے۔ پہلی

صورت میں حق دار کو خود فکرمند رہنا پڑتا ہے اور جب تک وہ طاقتور نہ ہو یا کوئی طاقتور اسے حق لے کر دینے کے لیے آمادہ نہ ہو وہ ذہنی تناؤ کا شکار رہتا ہے اور اپنا حق نہیں لے سکتا ، جب کہ دوسری صورت میں حق دار بے فکر ہوتا ہے اور ادائیگی کی فکر ذمہ دار کو ہوتی ہے، حق ادا کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے جب کہ حق حاصل کرنے کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح حق حاصل کرنے کی ذمہ داری حق دار پر عائد کی جائے تو معاشرے میں تناؤ پیدا ہوتا ہے اور مخالفت بڑھتی ہے جس کا نتیجہ ہمارے زمانے میں جلسے جلوسوں، احتجاج اور گروہ بندی کی نوبت آتی ہے جب کہ دوسری صورت میں امن و امان کا زیادہ بہتر موقع ہوتا ہے۔ انتظامی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنائے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے اپنے خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا: **ألا وإنَّ القويَّ عندي ضعيف حتى آخذ منه الحق، والضعيف عندي قوي حتى آخذ له الحق**(۴)(خبر دار! طاقت ور میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں، اور کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ اسے حق لے کر دے دوں)۔

اِسلام میں حقوق کی تقسیم حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ملتی ہے اور اسلام کی عملی تاریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق العباد کا اطلاق عام طور پر افراد، جماعتوں‌اور اداروں کے ذاتی حقوق پر ہوتا ہے اور حقوق اللہ کا لفظ عوامی ذمہ داریوں (Public duties) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی انجام کار انسانوں ہی کی فلاح و بہبود کا ایک منظّم پروگرام ہے۔ عباد میں سبھی انسان شامل ہیں، البتہ اس عموم میں تخصیص کے لیے بعض اوقات اِسلامی ریاست کی طرف سے خصوصی ہدایات جاری کی جاتی رہیں۔ مثال کے طور پر پڑوسیوں کے حقوق، مسلمانوں کے مسلمانوں پر حقوق، میاں بیوی کے حقوق وغیرہ کو دیکھا جاسکتاہے۔اسلامی ریاست میں چوں کہ مذہبی آزادی کا اصول روزِ اول سے کار فرما رہا ہے اس لیے مسلمانوں کو آپس کے حقوق کا درس دے دیا گیا اور دیگر مذاہب کو اپنے رسم و رواج کے مطابق حقوق کی ادائیگی کی آزادی دی گئی۔ مسلمانوں کے آپس کے حقوق کی ایک مثال درج ذیل حدیث مبارک سے سمجھی جا سکتی ہے:

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: حق المسلم على المسلم ست، قيل: ما هنَّ يا رسول الله؟ قال: إذا لقيته فسلم عليه، وإذا دعاک فأجبه، و إذا استنصحک فانصح له، و إذا عطس فحمد الله فشمته، وإذا مرض فعده، وإذا مات فاتبعه (۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ کیا ہیں؟ تو فرمایا: ایک یہ کہ جب تم اس سے ملو تو سلام کرو، دوسرا یہ کہ جب وہ تمہیں دعوت دے تو تم اس کی دعوت کو قبول کرو، تیسرا یہ کہ جب وہ تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو، چوتھا یہ کہ جب وہ چھینک مار کر الحمد للہ کہے تو تم اسے یرحمک اللہ کہو، پانچویں یہ کہ جب وہ بیمار ہو تو تم اس کی عیادت کرو اور چھٹے یہ کہ جب وہ فوت ہوجائے تو تم اس کے جنازے کے پیچھے چلو۔

یہ سب مسلمانوں کے دینی شعائر ہیں اور اِسلام دینی شعائر کو قانونِ عام ہونے کے باوجود غیر مسلموں پر نہیں ڈالتا۔ اس کے علاوہ جو تخصیصی حقوق بیان کیے گئے ہیں وہ انسانی بنیادوں پر ہیں اس میں مذہب کی کوئی قید نہیں۔ حقوق زوجین ہر مذہب کی اپنی تعلیمات کے مطابق ادا کرنے کی آزادی ہے اور پڑوسی کے حقوق میں مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔

۲۔ اقلیتوں کے حقوق کی اصطلاح بظاہر بہت خوش نما ہے مگر اس کا استعمال ہمیں دورِ جدید میں ہی نظر آتا ہے، اِسلامی علمی ورثے میں اس کا کہیں وجود نہیں ملتا، اکثر معاہدین اور اہل ذمہ کے الفاظ ملتے ہیں۔ اہلِ ذمہ ایک نہایت محترم لفظ ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اِسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ہر طرح سے ذمہ دار ہے۔ جہاں تک جزیے کی بات ہے تو یہ محض ایک مالیاتی تنظیمی اصطلاح ہے۔ مسلمان بھی نظم مملکت چلانے کے لیے رقم بیت المال میں جمع کراتے ہیں اور ذمی بھی۔ جس طرح مسلمانوں کے مالیاتی حصے کے مختلف نام ہیں، جیسے زکاۃ، عشر، صدقات، غنیمت وغیرہ وغیرہ اسی طرح اہلِ ذمہ چوں کہ عمومی ضرائب سے مبرا ہیں اس لیے انتظامی طور پر ان کے مالیاتی حصے کی پہچان کے لیے اس کا نام جزیہ رکھا گیا ہے۔ البتہ یہ ساری مراعات اس وقت تک ہیں جب تک کوئی بھی شہری خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جب تک وہ مسلم ریاست کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کا محافظ رہے اور انہیں کسی طرح سے نقصان نہ پہنچائے۔ اگر وہ دستور ہی کا مخالف ہوجائے یا ریاست کو نقصان پہنچائے تو یقیناً سزا کا مستوجب ہے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی رعایت نہیں۔

جہاں تک اس اصطلاح کے استعمال کرنے کا تعلق ہے تو شاید یہ جمہوریت کے اجزائے ترکیبی میں سے ہے اور جب مغربی جمہوریت متعارف ہوئی، اس کے ساتھ اقلیت کا تعارف ہوا۔ اس لفظ کی لغوی تشریح کی جائے تو یہ قلیل (تھوڑا) سے افعل کا صیغہ ہے جو انگریزی کی superlative degree کے قائم مقام ہے اور اس کا معنی کمترین ہونے کی حالت ہے۔ انگریزی میں اسے

minority کہتے ہیں جوکہ minor سے ماخوذ ہے اور minor کے معانی چھوٹا، کم تر، بے قدر اور خفیف ہیں۔ (۶) یہ نام انسانیت کے لیے عزت والا نام نہیں شہریوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے والا بھی ہے اورعدم تحفظ کے احساس کے تحت جذبۂ بغاوت پیدا کرنے والا بھی۔

دورِ جدید میں اقلیت کے نام پر حقوق کی ایسی تقسیم کر دی گئی ہے اس سے لوگوں کے بھی الگ الگ درجات (Categories) بن گئے ہیں۔ اگر اس تقسیم کو بنظر غائر دیکھا جائے تو اس فرقہ بندی سے معاشرے کو افتراق اور تشتت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ حقوق کے انہی مستحقین میں سے ایک درجے کا نام ہی Vulnerable Groups رکھ دیا گیا ہے، گویا یہ لوگ پیدائشی طور پر غیر محفوظ لوگ ہیں۔ اس درجے کے لوگوں کا تذکرہ آتے ہی یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ حقوق سے محروم لوگ ہیں۔ اس مفروضے کی حقیقت یا اس کے محض توہم ہونے پر بحث کے لیے ایک طویل تحقیقی مطالعہ درکار ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔ فی الحال یہاں اس درجے میں شامل سمجھے جانے والے ایک انسانی مجموعے کا ذکر کرکے اس کے حقوق پر گفتگو مقصود ہے۔ یہ گروپ دور جدید کی اصطلاح میں اقلیتوں کا گروپ ہے۔ اگرچہ بنیادی طور پر اس طرح کی Grouping ہی قابلِ بحث ہے مگر جب بین الاقوامی طور پر یہ درجہ بندی ہوچکی ہے تو اس موقع پر اسی زبان میں گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔پھر بین الاقوامی طور پر اقلیتوں minorities کے بھی درجات بنائے گئے ہیں۔ کسی ایک ملک کے اندر رہنے والی اقلیتوں کوNational Minorities کہاجاتاہے اور انہیں پھر کئی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع کا مرکزی نقطہ متعین کرنے کے لیے اقلیتوں کے حقوق کی بین الاقوامی تعریف نظر قارئین ہے ، اسی میں کسی ایک ملک کے اندر اقلیت قرار دیے جانے والے انسانی مجموعوں کا ذکر بھی آجائے گا :

> Human rights are established to protect the rights of the individual vis-à-vis the state. Frequently the most vulnerable persons in need of protection belong to groups/minorities that in one way or another distinguish themselves from the rest of society, e.g., by means of language, religion, ethnicity and culture.(۷)
>
> انسانی حقوق ریاست کے مقابلے میں افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے تشکیل دیے گئے ہیں۔ اکثر اوقات ایسے غیر محفوظ افراد جنہیں مسلسل تحفظ کی ضرورت رہتی ہے ان کا تعلق ایسے انسانی مجموعوں سے ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طرح معاشرے کے دیگر عناصر سے اپنے آپ کو الگ تھلگ تصور کرتے ہیں۔ یہ عدم اشتراک لسانی بنیادوں پر بھی ہوتا ہے، مذہبی

بنیادوں پر بھی، نسلی بنیادوں پر بھی اور تہذیبی بنیادوں پر بھی۔

جہاں تک نسلی بنیادوں پر انسانوں کی تقسیم کی بات ہے تو قرآنِ مجید نے اس کے امتیازی درجہ بندی ہونے کی صراحت سے نفی کی ہے اور اسے محض ایک معاشرتی انتظامی علامت demarkation قرار دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴾[الحجرات۴۹:۱۳] (لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس ارشاد باری تعالیٰ کی وضاحت فرمائی ہے۔ شعب الایمان میںحضرت ابو امامہؓ سے ایک روایت منقول ہے جس کی اگرچہ سند میں کلام ہے مگر اس آیت کریمہ کے مفہوم کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر یہ بالکل درست ہے۔ حضرت ابو امامہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا أبا أمامة ! ما أنا وأمة سعفاء الخدین، سعفاء المعصمین، آمنت بربها، وتحننت علی ولدها ،إلا کهاتین – وفرق بین السبابة والوسطی– والله أذهب فخر الجاهلیة وتکبّرها بآبائها، کلکم لآدم وحواء کطفّ الصاع بالصاع، وإنَّ أکرمکم عندالله أتقاکم، فمن أتاکم ترضون دینه وأمانته فزوجوه.(۸)

اے ابو امامہ! میں اور ایک داغ دار گالوں والی، زخمی کلائیوں والی لونڈی جو اپنے رب پر ایمان رکھتی ہے اور اپنے بچے کے ساتھ پیار کرتی ہے ، میری شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرح برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمانہ ٔ جاہلیت کے فخر اور نسلی تکبر کو ختم دیاہے۔تم سب لوگ آدم اور حوا کی اولاد ہو اور اسی طرح برابر ہو جیسے پیمانے میں غلے کی برابربرابر پیمائش۔تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقوے والاہے، لہذا جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کے ایمان اور امانت سے تم لوگ مطمئن ہو تو اسے رشتہ دے دیا کرو۔

ابو عبیدہ نے فتح مکہ کے بارے میں جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں یہ جملے بھی شامل ہیں:

ألا وإن الله تعالیٰ قد أذهب نخوة الجاهلیة وتکبرها بالآباء، کلکم لآدم وآدم من تراب، لیس إلا مؤمن تقی أو فاجر شقی، و أکرمکم عندالله أتقاکم......(۹)

خبردار! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے فخر اور نسلی تکبر کو ختم کردیا ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔لوگوں کی دو ہی قسمیں ہیں: یا تو خوف خدا رکھنے والے مؤمن ہیں یا نافرمان سرکش ہیں، اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ تقوے والا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

إن الله تعالیٰ قد أذهب عُبِّيَّةَ الجاهلية وتعاظمها بآبائها، فالناس رجلان : بَرٌّ تقيٌّ كريم على الله، وفاجر شقيٌّ هيِّنٌ على الله ، والناس بنو آدم وخلق الله آدم من تراب ،قال الله تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ......﴾

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے مگر اس کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔(۱۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے فخر اور نسلی بنیادوں پر عظمتوں کے دعوے ختم کردیے ہیں، اب لوگ دو ہی قسم کے ہیں: ایک اطاعت گزار اور تقوے والے ہیں اور انہی کی اللہ کے ہاں عزت ہے اور دوسرے نافرمان اور ضدی ۔ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں۔ لوگ تو سب آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے بنایا۔

یہ بات تو ہوئی نسلی اقلیتوں کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اِسلام میں نسلی اقلیت کا وجود نہیں اس لیے یہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے ۔

National Minorities میں دوسری قسم تہذیبی اقلیتوں کو قرار دیا گیا ہے تو اِسلام خود ایک تہذیب ہے اور دوسرے مذاہب کو بھی تہذیبیں مانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی اور مسلم، غیرمسلم کے درمیان میثاق ہوا کیوں کہ ایک ہی معاشرے میں رہنے والے مختلف تہذیبوں کے لوگوں کے ساتھ باہمی بود و باش کے لیے متعدد پہلوؤں کی رعایت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی ضمانت اس میثاق میں دی گئی، جب کہ مواخات کی کوئی لمبی چوڑی دفعات تشکیل نہیں دی گئیں۔

تیسری قسم کی اقلیتیں جن کا تذکرہ بین الاقوامی قوانین میں کیا گیا ہے وہ لسانی بنیادوں پر قائم ہونے والی اقلیتیں ہیں۔ اسلام کی نظر میں لسانی گروپ بندی بھی اقلیت اور اکثریت کی بنیاد نہیں بن سکتی ۔حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع کے

موقع پر ایام تشریق کے دوران ہمیں خطاب فرمایا ، آپ نے ارشاد فرمایا:

يأيها الناس! إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لافضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا أسود على أحمر إلا بالتقوىٰ، إنَّ أكرمكم عندالله أتقاكم، ألا هل بلَّغتُ؟ قالوا: بلٰى يا رسول الله! قال: فليبلِّغُ الشاهد منكم الغائب.(۱۱)

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ یہ بات ذہنوں میں بٹھا لو کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے نہ کالے کو گورے پر۔ برتری کا ایک ہی معیار ہے اور وہ تقویٰ ہے، تم میں سے جو کوئی تقویٰ میں بڑھا ہوا ہوگا، وہی اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا ہو گا۔ بتاؤ میں نے پیغام پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے پہنچا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اب جو یہاں موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں۔

National Minorities کی بین الاقوامی تعریف کی روشنی میں ان تمہیدی دلائل سے اس مقالے کا رخ واضح ہوگیا کہ ہمارا موضوع اس کا صرف وہ حصہ ہے جو نظریاتی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اور جسے Relegious Minorities کہا گیا ہے ۔جہاں تک لسانی، نسلی یا تہذیبی بنیادوں پر انسانوں کی گروہ بندی کا تعلق ہے تو اِسلام میں یہ تقسیم معتبر نہیں۔ اگر کوئی محقق، مفکر یا کوئی بھی شخص اس سے اختلاف کرناچاہے، یا اس پر بحث کرنا چاہے تواِسلام صرف اپنے ماننے والوں کو اپنی تعلیمات کا پابند بناتا ہے۔ دیگر تمام انسانوں کو اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے اختلاف کرنے، اس پر بحث کرنے یا اس کا انکارکرنے کی آزادی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۵۶] (دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے، جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک بہت بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے کوئی شکستگی نہیں۔ اوروہ بڑا سننے اور جاننے والا ہے۔)

اب اگر لسانی یا نسلی یا تہذیبی بنیادوں پر کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو اِسلامی حکومت کا کام ہے کہ اسے برابری کی بنیادوں پر حل کرے، نہ کہ اسے ایک الگ گروہ قرار دے کر قومی سطح پر ایک نئی گروہ بندی کو جنم دے دے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اکا دکا لوگ دوسری زبانیں بولنے والے یا دوسری تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے بھی امت مسلمہ کے فرد تھے۔ ان کی مثالیں تلاش

کریں تو حضرت سلمان فارسیؓ اصفہان سے تعلق رکھتے تھے ایک شریف النسب اور آزاد آدمی تھے مگر سچے دین کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے، آگ کی پوجا سے تنگ آئے تو بہت سے پادریوں کی خدمت کی اور راہبوں کی مجالس میں حاضری دی مگر کہیں دل مطمئن نہ ہوا۔ حق کی تلاش کی تڑپ اس قدر تھی کہ اس کے لیے شہر شہر مارے مارے پھرتے رہتے تھے۔ اسی اثناء میں انہیں کسی نے بتایا کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا۔ جب وادئ قریٰ میں پہنچے تو ایک یہودی کے ہتھے چڑھ گئے۔ اس نے انہیں غلام بنا کر بیچ دیا۔ اسی غلامی کی حالت میں چلتے چلاتے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری ہو چکی تھی، آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایمان لے آئے، مگر اسی غلامی میں جنگ بدر اور احد کا زمانہ گزر گیا۔ اب اِسلامی حکومت کی جس ذمہ داری کی ہم نے بات کی ہے اس کا کامل نمونہ اسوۂ کاملہ میں ظاہر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا کہ اس دور کے دستور کے مطابق اپنے آقا سے مکاتبت کی بات کریں۔ انہوں نے بات کی تو یہ طے پایا کہ سلمانؓ اپنے مالک کو کھجور کے تین سو درخت کاشت کر کے دیں گے اور چالیس اوقیہ سونا نقد پیش کریں گے تو آزاد ہو جائیں گے۔ اب یہاں حکومتی انتظام یہ ہوا کہ سب مسلمانوں نے حصہ ڈال کر چالیس اوقیہ ادا کی اور سب نے سلمانؓ کے ساتھ مل کر درخت لگوانے کے لیے جگہ کھدوائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے درخت لگاتے گئے اور جب تین سو درخت مکمل ہوئے تو سلمانؓ آزاد ہو گئے۔ اب وہ ایک آزاد اِسلامی ریاست کے آزاد شہری تھے مگر وہاں تو سب کے اپنے اپنے قبائل اور اپنی اپنی نسبتیں تھیں سلمانؓ کی نسبت کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر دفاعی تدبیر کے طور پر حضرت سلمانؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا کام انتظامی طور پر مہاجرین اور انصار میں الگ الگ تقسیم کیا، اب سلمانؓ کہاں جاتے وہ نہ مہاجرین میں آتے تھے نہ انصار میں۔ ایسے موقعے پر عموماً لوگ اپنی نسبت کسی اور کو دینے سے کتراتے ہیں مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ مہاجرین نے کہا: **سلمان منا** (سلمانؓ ہم میں سے ہیں) اور انصار نے زور لگایا: **سلمان منا** (سلمانؓ ہم میں سے ہیں) ۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا: **سلمان منا أهل البيت** (سلمان ہمارے ہیں اور ہمارے اہل خانہ میں شامل ہیں)۔(۱۲)

جنگِ خندق کے موقع پر حضرت سلمانؓ کی رائے پر عمل کرنا اور ان کو پوری دفاعی پالیسی کا نہ صرف علم ہونا بلکہ پورے دفاعی عمل میں ان کی اعلیٰ ترین درجے پر شمولیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اِسلام میں لسانی بنیادوں پر اقلیت کا تصور نہیں کیوں کہ آج کل کے مہذب ترین معاشرے بھی

مہاجرین، پناہ گزینوں اور دیگر قسم قسم کے انسانی مجموعوں کو اپنے ہاں طرح طرح کی سہولیات دیتے ہیں مگر قومی مفادات کے معاملات کے نزدیک کسی کو نہیں پھٹکنے دیتے جیسا کہ مختلف بین الاقوامی کنونشنز اس بات کے گواہ ہیں۔

تہذیبی اور لسانی طور پر مختلف قبائل، علاقوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے چند ایسے اشخاص کے نام جو سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں: عبد اللہ بن مسعود الھذلی، مسعود بن ربیعۃ القاری، عبداللہ بن جحش الأسدی اور ان کے بھائی اُحمد بن جحش الأسدی، بلال بن رباح الحبشی، صھیب بن سنان الرومی، عمار بن یاسر العنسی، ان کے والد یاسر العنسی، ان کی والدہ سمیہ اور عامر بن فھیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔(۱۳)

اگر معاصر بنیادوں پر اقلیتیں تشکیل پانے لگتیں تو امت مسلمہ کبھی پل بڑھ کر جوان نہ ہوتی کیوں کہ آج کی دنیا میں جس قدر اقلیتوں کی قسمیں زیادہ بنائی گئی ہیں اسی قدر طاقتور ممالک کمزور ممالک کے ان گروہوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں زیادہ سرگرم ہوتے ہیں۔ ہر ملک میں اقلیت اور اکثریت کی لڑائیاں عالمی سیاست کا ایک مؤثر ہتھیار ہیں، عراق اور ترکی میں کردوں غیر کردوں کی لڑائی، پاکستان میں پنجاب اور دوسرے صوبوں کے نسلی اور لسانی بنیادوں پر اختلافات، کراچی، حیدر آباد میں مہاجر پٹھان اختلافات عالمی سیاست کا محبوب مشغلہ ہیں۔ طاقتور ممالک جس ملک میں چاہتے ہیں اقلیتوں کو حقوق دلوانے پہنچ جاتے ہیں اور پھر اقلیت اور اکثریت مل کر ایک وسیع تر اقلیت کی شکل اختیار کرجاتے ہیں۔

اس کے برعکس اِسلام نے مسلم ریاست غیر مسلم شہریوں کو ان کی اس وقت کی وضع کے مطابق اُمۃ واحدۃ (مسلم غیر مسلم ایک ہی قوم)، اہل الذمۃ(ایسے شہری جن کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے) معاہد(جن شہریوں کو معاہدے کے تحت شہریت دی گئی ہے) اور کتابی یا اہل کتاب وغیرہ کہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اِسلامی معاشرے نے اس قدر کثیر اقلیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور رنگ، نسل، زبان اور تہذیب و تمدن وغیرہ کسی چیز کو اپنے اور لوگوں کے درمیان حجاب نہیں بننے دیا تو کیا وجہ ہے کہ دیگر مذہب کے ماننے والوں کو مسلم معاشرہ برداشت نہ کر سکا۔

بظاہر یہ سوال بڑا وقیع نظر آتا ہے اور اسلام پر اعتراضات میں اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے مگر جہاں تک دوسروں کو برداشت کرنے کا تعلق ہے تو اِسلام سے بڑھ کر برداشت کا مادہ کسی نظامِ زندگی میں نہیں پایا گیا، قرآنِ مجید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور تاریخِ اِسلامی اس

بات کی شہادتوں سے لبریز ہیں اور غیر مسلم مفکرین کی تالیفات بھی اس بات کی مؤید ہیں کہ اسلام نے دوسروں کو برداشت کرنے میں عمدہ ریکارڈ قائم کیے۔ مثال کے طور پر یہ کہ قرآنِ مجید میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جن انبیاء کے نام آئے، ان کا تذکرہ نہایت عزت و احترام سے کیا گیا، بلکہ اہلِ ایمان کو بتایا گیا کہ ان سب پر ایمان لانا تمہارے لیے ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۳۵-۱۳۶] (اورکہتے ہیں: یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ گے، آپ ان سے کہہ دیجیے، بلکہ ہم دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (مسلمانوں کہو کہ ہم ایک خدا پہ ایمان لائے اور (جو) کتاب ہم پہ اتری) ان انبیاء میں سے اکثر انبیاء بنی اسرائیل ہیں، دوسری طرف دیکھیں تو مسلمانوں کے ساتھ سب سے گہری اور سخت دشمنی رکھنے والے بھی اہل کتاب ہی ہیں۔ اسی طرح تمام آسمانی کتابوں کا تذکرہ قرآنِ مجید میں نہایت ادب سے کیا گیا ہے۔ توراۃ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدۃ ۵: ۴۴] (بے شک ہم ہی نے تورات نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور اسی طرح ان کے مشائخ اور علماء بھی، اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے گواہ تھے، سوتم انسانوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کو دنیا کی متاع قلیل کے عوض بیچ نہ ڈالو اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں)۔ انجیل کا تذکرہ آیا تو قرآنِ مجید نے فرمایا: ﴿وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ [المائدۃ ۵: ۴۶] (اور ہم نے ان کے پیچھے عیسی ابن مریم کو بھیجا ، تصدیق کرنے والے اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کے اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے، تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی تورات کی اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور اور نصیحت ہے۔) مشرکین جنہوں نے مکی دور میں مسلمانوں پر بہت

زیادہ زیادتیاں کیں اور انہیں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا ان کے بارے میں قرآنِ مجید کہتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدۃ ۵: ۸] (اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو اس کی پوری خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو) دوسرے مقام پر صراحت سے ان کی زیادتیوں کا تذکرہ کرکے فرمایا:﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوااللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدۃ ۵:۲] (اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا تو تم اس بیزاری کے باعث زیادتی کرنے لگو، ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ اور نیکی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے نام پر پوری سورت قرآنِ مجید میں موجود ہے، روم کے نام پر سورت موجود ہے انبیاء بنی اسرائیل کے ناموں پر سورتیں ہیں جن میں ان کے اوصافِ عالیہ کھل کر بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان انہی کی تلاوت کرکے اپنی نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے علاوہ بھی اس کی تلاوت کو عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔

یہ تو دوسرے مذاہب کے بارے میں اس قرآن کا رویہ ہے جسے آج کے اہلِ کتاب بھی مجرم قرار دے کر اسے جلانے کی جسارت کر بیٹھے ہیں۔ باقی جہاں تک غیرمسلموں کے ساتھ سلوک کا تعلق ہے تو اِسلام امن کا دین ہے اور اس کا نام ہی سلامتی سے ماخوذ ہے۔

۳۔ اقوام متحدہ پہلا ادارہ نہیں جس نے حقوق کی بات کی ہو۔محققین نے حقوق کی تاریخ قبل مسیح کے قدیم زمانوں سے تلاش کی ہے۔ یہاں بات کو اپنے موضوع پر قائم رکھنے کے لیے اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اس کے لیے باقاعدہ اصول قرآنِ مجید نے دیے جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ......﴾ [الحجرات۴۹:۱۳] کا حوالہ گزر چکا ہے۔ قرآنِ مجید کا خطاب ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ سے ہو تو وہ بین الاقوامی خطاب ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہؓ کے تعامل کی کچھ مثالیں بھی ذکر کی جا چکیں اور کچھ مزید مثالوں کا تذکرہ اپنے مقام پر

ان شاء اللہ ہوگا۔ میثاق مدینہ انسانی حقوق اور خصوصاً دور جدید کی اصطلاح میں اقلیتوں کے حقوق کے لیے پہلی بین الاقوامی دستاویز شمار کی جاسکتی ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع کو اس کا مربوط ضابطۂ اخلاق کہا جا سکتا ہے۔ ان دونوں کو اقوام متحدہ کے منشورات کے سامنے رکھا جائے تو فرق خود واضح ہوجائے گا۔ اِسلامی تاریخ میں اس کی مثالیں اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

۴۔ جہاں تک بین الاقوامی سطح پر اس قانون سازی کا تعلق ہے تو اقوام متحدہ اس کے لیے نہ تو اِسلامی اصولوں پر پورا اترتی ہے نہ مغرب کے جمہوری اصولوں پر۔مغرب کے جمہوری اصولوں کے مطابق قانون سازی کے لیے سادہ اکثریت یا دو تہائی اکثریت ضروری ہے جب کہ اقوام متحدہ میں فیصلے کرنے کا حق صرف پانچ ممالک کو حاصل ہے، البتہ تمام رکن ممالک اس کے فیصلے ماننے کے پابند ہیں۔ اگر کوئی دوسرا ملک کوئی درخواست پیش کرے تو فیصلے کا حق رکھنے والے ممالک اس کے خلاف حکم امتناعی (Veto)جاری کرسکتے ہیں(۱۴)۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق کی موجودہ بین الاقوامی دستاویزات میں بہت سی چیزیں ان کے اپنے بنائے ہوئے قواعد وضوابط سے مطابقت نہیں رکھتیں کیوں کہ تمام معاشروں کی تہذیب اور مذہب وغیرہ پر علمی طور پر کما حقہ کام نہیں کیا جا سکا۔ مذہبی آزادی، خاندانی آزادی اور معاشرتی آزادی پر زور تو دیا گیا ہے مگر ان کے حصول کے لیے مناسب ضوابط شاید متعارف نہیں کروائے جاسکے ۔دوسری طرف اِسلام میں ہدایات تو وحی ہوتی ہیں جب کہ ان کی بنیادی اصولوں کے مطابق حالات کی رعایت رکھتے ہوئے تعبیر کرنا مجتہدین کا کام ہے خواہ وہ سرکاری سطح پر ہو یا غیر سرکاری سطح پر۔ درج ذیل بحث سے اِسلامی معاشروں میں غیرمسلم شہریوں کے تحفظ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غیرمسلم شہریوں کی حیثیت

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے ایک اِسلامی ریاست میں غیرمسلم شہریوں کی دو حیثیتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ دستور کے ذریعے شہریت :

شہریوں کی ایک حیثیت وہ ہے جو مدینہ منورہ کی ریاست کے قیام کے وقت وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوئی۔ اس ریاست کے قیام کے وقت مسلم غیرمسلم دونوں طرح کے لوگ وہاں موجود تھے اور ایک معاہدے کے ذریعے اس ریاست کے شہری بنے۔ تاریخی لحاظ سے اسے میثاقِ مدینہ کہاجاتا ہے مگر جدید دنیا نے تسلیم کیا ہے کہ یہ معاہدہ اپنے اندر ایک ریاستی دستور ہونے کے تمام پہلو رکھتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم نے اسے جدید دستور کی دفعات کے مطابق مرتب کرکے انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کیا اور اس کا نام The first written constitution in the World رکھا۔ اس معاہدے کی کچھ شقیں ہم نمونے کے طور پر اس مقالے میں نقل کر رہے ہیں۔ دستور کے اندر ایسی واضح دفعات ہیں جن سے اِن کے حقوق و فرائض کا تعین ہوتاہے ۔جہاں بھی ایسی ریاست قائم ہو وہاں کی حکومت اور مسلم شہری وہاں کے غیرمسلم شہریوں کو ان کے حقوق اور دستور کے مطابق انہیں مراعات دینے کے پابند ہوتے ہیں اور وہاں کے غیرمسلم شہری اس دستور میں دیے گئے فرائض کی ادائیگی کے پابند ہیں۔ اگر کسی مسلم کی طرف سے کسی غیرمسلم شہری کی حق تلفی ہو تو ریاست اس کا حق دلانے کی پابند ہے اور اگر غیرمسلم شہری دستور یا اس کے مطابق بنائے گئے قوانین کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے پہلے میثاقِ مدینہ کی متعلقہ شقیں پیش کی جاتی ہیں اور اس کے بعد اس کی پابندی اور خلاف ورزی دونوں صورتوں میں تعامل کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔

میثاق مدینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے، قریش اور اہل یثرب کے مسلمانوں اور ان لوگوں کے درمیان جو ان کی پیروی کریں، اور ان سے الحاق کر لے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرے۔

۲۔ یہ کہ اس معاہدے کے فریق دوسرے لوگوں سے الگ ایک قوم ہوں گے۔

۳۔ یہود میں سے جو ہماری پیروی کرے اس کی مدد اور خیر خواہی کی جائے گی۔ ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

۴۔ معاہدے کا کوئی غیرمسلم رکن نہ قریش کا مال اپنے پاس محفوظ رکھے گا، نہ ان کے کسی فرد کو پناہ دے گا اور نہ کسی مؤمن کے خلاف ان کو تحفظ فراہم کرے گا۔

۵۔ حالتِ جنگ میں یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر اخراجات برداشت کریں گے۔

٦۔ بنوعوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی قوم شمار ہوں گے، مگر یہودیوں کا دین اپنا ہو گا اور مسلمانوں کا اپنا۔ اس قومیت میں یہ لوگ خود بھی شامل ہوں گے اور ان کے آزاد کردہ غلام بھی۔ ہاں اگر کسی نے ظلم کیا، یا کوئی اور خلاف ورزی کی تو اس کا معاملہ دوسرا ہو گا۔

۷۔ بنو حارث کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے یہودیوں کے لیے ہے۔

۸۔ بنو نجار کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔

۹۔ بنو ساعدہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔

۱۰۔ بنو جشم کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔

۱۱۔ بنو ثعلبہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔

۱۲۔ بنو اوس کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔

۱۳۔ اور قبیلہ جفنہ جو کہ بنو ثعلبہ کی شاخ ہے، ان کے لیے بھی وہی قانون ہوگا جو کہ خود بنو ثعلبہ کے لیے ہے۔

۱۴۔ بنو شطیبہ کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ضابطہ ہے جو بنو عوف کے لیے ہے۔لیکن بھلے برے کا فرق کیا جائے گا۔

۱۵۔ قبیلہ ثعلبہ کے موالی(آزاد کردہ غلاموں)کا بھی وہی حکم ہوگا جو خود ثعلبہ کا ہوگا۔(۱۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مزید یہ دفعات بھی نقل کی ہیں، معاہدے کی متعلقہ شقوں کو ڈاکٹر صاحب مرحوم کے دیے گئے دفعات نمبر کے مطابق نقل کیاجارہا ہے:

۱۷۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے دوران ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر صلح نہیں کرے گا، جب تک یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو۔

۲۲۔ جو مسلمان اس تحریری دستاویز کوتسلیم کرے، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہو گا کہ وہ کسی فسادی اور قانون شکن شخص کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔

۲۳۔ جس چیز پر تمہارا اتفاق نہ ہو سکے تو اسے اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے جانا ہو گا۔

۲۵۔ بنو عوف قبیلہ کے یہودی، اپنے موالی سمیت مسلمانوں کے برابر ایک امت ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر، سوائے ایسے شخص کے جو زیادتی کرے یا کسی جرم کا ارتکاب کرے کہ اس صورت میں وہ صرف خود کو اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔

۳۶۔ ان میں سے کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر نہیں جائے گا۔

۳۷،(الف)۔ یہودی اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات۔ جو کوئی اس دستورالعمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف لڑے گا تو اس کے خلاف سب مل کر مقابلہ کریں گے اور سب ایک دوسرے کی خیر خواہی اور بھلائی کریں گے اور ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کریں گے۔

۳۷ (ب)۔ کوئی بھی اپنے حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ مظلوم کی بہرحال مدد کی جائے گی۔

۳۹۔ یثرب کا وسطی حصہ اس دستاویز کو ماننے والوں کے لیے محترم و محفوظ رہے گا۔

۴۰۔ کوئی پناہ گزین، پناہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر کسی اور کو پناہ نہیں دے گا۔

۴۱۔ پناہ گزیں کو اپنوں کی طرح سمجھا جائے گا جو نہ تو زیادتی کرے گا اور نہ اس کے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔

۴۳۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی،نہ ان کے معاونین کو۔

۴۴۔ یثرب میں کوئی خطرہ پیش آئے تو اہلِ معاہدہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۴۵(الف)۔ اگران لوگوں کو کہیں سے صلح کی دعوت دی جائے یا صلح میں شمولیت کا کہاجائے تو وہ اسے قبول کریں گے اور اس میں شامل ہوں گے۔ جب انہیں اِس طرح کی دعوت دی جائے گی تو مسلمانوں کو بھی اس کی پابندی کرنا ہوگی، بجز اس صورت کے کہ فریق ثانی دین کے خلاف برسرپیکار ہو۔

۴۵(ب)۔شہر کی جس جانب میں جو لوگ رہتے ہوں، اس جانب کا دفاع وہی لوگ کریں گے۔

۴۶۔ قبیلہ اوس کے یہودیوں، اور ان کے موالی کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو اس دستاویز میں شامل لوگوں کے ہیں۔ اور ان کے یہ حقوق اہلِ معاہدہ کی طرف سے محض خیر سگالی کے طور پر ہوں گے، اور ان پر یہ نیکی کسی ظلم کے بغیر ہوگی۔ ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہوگا، اللہ تعالٰی اس میثاق کی سچائی اور نیکی پر گواہ ہے۔

۴۷۔ یہ دستاویز کسی ظالم اور مجرم کے آڑے نہیں آئے گی۔ جو شخص مدینہ سے باہر نکلے گا وہ بھی محفوظ رہے گا اور جو مدینہ میں رہے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔ سوائے اس کے جو زیادتی یا جرم کرے۔جو وفا شعار اور پرہیزگار ہو گا اللہ اس کا مددگار رہے گا، اور محمد رسول اللہ بھی۔(۱۶)

میثاق مدینہ میں شہریوں کے حقوق و فرائض کا خلاصہ :

۱۔ مسلم اور غیر مسلم شہریوں کو دستور کی حدود میں رہتے ہوئے یکساں طور پر مذہبی ، سماجی اور سیاسی تحفظ حاصل ہوگا۔

۲۔ مسلم اور غیر مسلم شہریوں کو معاشرتی لحاظ سے ایک دوسرے پرکوئی برتری نہیں دی گئی، نہ ہی غیر مسلموں کے لیے اقلیت یا دوسرے درجے کا شہری ہونے کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

۳۔ مدینہ کے دفاع کی ذمہ داری معاہدے کے تمام ارکان پر عائد ہوگی ۔

۴۔ مسلمان اور یہودی اپنے اپنے اخراجات کے خود ذمہ دار ہوں گے مگر کسی طرح کے دفاعی اخراجات یا کسی شہری کی دیت وغیرہ کے معاملے میں اخراجات سب مل کر برداشت کریں گے ۔

۵۔ اس ریاست کے تمام شہریوں کا قریش مکہ کے ساتھ معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ ہوگا ۔

۶۔ کسی معاملے میں اختلاف کی صورت میں فیصلے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔

یہ دستور قرآنِ مجید کی ہدایت کے عین مطابق تیار کیا گیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً. وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ. وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. لايَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.﴾[الممتحنة ۶۰ : ۷-۹]

(ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تمہیں دشمنی ہے دوستی پیدا کردے ،اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بڑی مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جوتم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں کو ہی دوست رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جوتم سے دین کے بارے میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی، اور جو کوئی دوستی کرے گا ان سے تو یہی لوگ تو ظالم ہیں)۔

نیز اہلِ کتاب کے بارے میں مزید واضح طور پر فرمایا:

﴿وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ.﴾ [العنکبوت۲۹:۴۶]

اور تم اہل کتاب سے مجادلے کے اچھے طریقوں میں سے سب سے اچھے طریقے سے مباحثہ کرو، سوائے ان میں سے ان لوگوں کے جو زیادتی کریں ، اور کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو ہم پہ نازل ہوئی اور اس کتاب پہ بھی جو تم پر نازل ہوئی، اورتمہارا اور ہمارا دونوں کا معبود ایک ہی ہے،اور ہم تو اسی کے فر ماں بردار ہیں)

یہی دستورِ مدینہ کا خلاصہ تھا کہ مسلم اور غیر مسلم مل جل کر رہیں گے، ایک دوسرے کے عقائد اور معاشرتی مقام کا احترام کریں گے، مگر جو لوگ ظلم کریں انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، یہی بات مندرجہ بالا سطور میں معاہدے سے منقول شق نمبر ۶ میں وضاحت سے بتائی گئی ہے۔

شہریوں کا رویہ اور ریاست کا تحفظ

ا۔مسلم شہری: اس معاہدے کے تمام فریق اس میں اپنی مرضی اور رضا سے شامل ہوئے تھے اور اس دستور پر متفق تھے۔ مدینہ کے باسیوں میں مسلم، مشرک اور یہودی شامل تھے۔مشرکین قلیل تعداد میں تھے اور ان کا اس معاہدے اور اس ریاست کے دستور میں کوئی واضح تذکرہ نہیں ملتا۔ ریاست کے ساتھ ان کا رویہ کیا رہا، بظاہر یہی لگتا ہے کہ وہ پرامن رہے۔ جہاں تک مسلم شہریوں کا تعلق ہے تو ان میں مہاجرین اور انصار شامل تھے۔ مہاجرین تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اور ان کے مکی جاں نثار تھے۔ انصارِ مدینہ بھی جاں نثاری اور دستور کی پابندی میں کچھ کم نہ تھے۔ اس کا کچھ اندازہ جنگ بدر سے کچھ وقت پہلے حضرت سعد بن معاذؓ کی تقریر سے کیاجاسکتاہے جو انہوں نے تمام انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کی، انہوں نے فرمایا:

قد آمنا بک وصدّقناک وشهدنا أن ماجئت به هو الحق، وأعطيناک على ذلک مواثيقنا وعهودنا على السمع والطاعة، فامض بنا يا رسول الله لما أردت فنحن معک، والذي بعثک بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معک، ما تخلّف منا رجل واحد، وما نكره أن تلقى بنا عدونا غدا، إنا لصبر في الحرب، صدق في اللقاء، لعل الله أن يريک ما تقر به عينک، فسِر بنا على بركة الله.(۷۱)

ہم آپ پر ایمان لا چکے اور آپ کی تصدیق کردی اور اس بات کی گواہی دی کہ آپ جو

کچھ لائے ہیں وہی حق ہے۔ اس بات پر ہم نے آپ کی اطاعت اور فرماں برداری کے عہد کیے ہیں۔ یا رسول اللہ! اب آپ ہمیں جہاں لے کر چلنا چاہیں چل پڑیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں لے کر سمندر پہ چلے جائیں اور اس میں گھس جائیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں گھسیں گے، ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں یہ بات ذرا بھی ناپسند نہیں کہ آپ کل کلاں ہمیں لے کر دشمن سے مقابلہ کریں، ہم لوگ جنگ میں ڈٹ جانے والے اور خلوص دِل سے دشمن کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو وہ چیز دکھائیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ آپ اللہ کا نام لے کر ہمیں لے چلیے۔

۲۔ غیر مسلم شہری: دستور مدینہ کے لحاظ سے غیر مسلم شہریوں کے طور پر صرف یہود کا ذکر ہے۔ انہوں نے اس معاہدے کو بظاہر خوش دلی سے قبول کیا اور کچھ عرصے تک اس نومولود ریاست کا نظم ونسق بہترین انداز سے چلتا رہا مگر ہجرت کے دوسرے ہی سال یہود کی طرف سے سٹیٹ کے خلاف بغاوت اور دستور کی خلاف ورزی کھل کر سامنے آنے لگی ۔ اس مخالفت کا اظہار دو طریقوں سے ہوا:

خفیہ مخالفانہ سرگرمیاں: یہود کے ایک طبقے نے قیام سلطنت کے آغاز ہی میں دوغلا کردار اختیار کر لیا، وہ بظاہر مسلمان تھے مگر دل سے کافر تھے، اور کفار کے مفادات کے لیے بالکل اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح آج کی خفیہ ایجنسیاں کرتی ہیں۔ یہ خطرناک ترین لوگ تھے مگر ان کا رویہ اس قدر پیچیدہ تھا کہ ان کے ساتھ نمٹنا مشکل ترین کام تھا۔ مدینہ میں ان کے خفیہ رابطے یہود کے ساتھ تھے اور مکہ میں مشرکین کے ساتھ۔ ان کی قیادت عبداللہ بن ابی بن ابی سلول کرتا تھا۔ قرآنِ مجید میں ان کے طریقۂ واردات کے جو پہلو بیان کیے گئے ہیں وہ سب وہی ہیں جو آج کے دور میں خفیہ ایجنسیاں اپنے دشمن ممالک میں جا کر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لوگ مسلمانوں کے پاس جا کر بیٹھتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور کافروں کے پاس جاتے تو انہیں اپنے خلوص کا یقین دلاتے اور مسلمانوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے کو محض ایک وقت گزاری اور مذاق کہتے۔ اس کا خلاصہ سورۂ بقرہ ۲:۸-۱۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾ [البقرۃ۲:۱۴] (جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین سے علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے) میں شیاطینهم سے ان لوگوں کا تصور ملتا ہے جن کے

مفادات کے لیے وہ کام کرتے تھے اور ان کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کرتے تھے۔

ان لوگوں کا مشن رائے عامہ کو مسلمانوں کے خلاف ہموار کرنا اور مسلم سٹیٹ کے نظریے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اس سے بددل اور بدظن کرنا تھا۔ اس کے لیے کبھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے بیٹھے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرکے آپ ﷺ کی باتوں کا مذاق اڑاتے، کبھی مجلس سے اٹھ کر جاتے تو لوگوں سے کہتے کہ ہمیں اس نبی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، تم کچھ سمجھے ہو تو بتاؤ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ [محمد۴۷: ۱۶](اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو غور سے آپ کی بات سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب باہر جاتے ہیں تو صاحب علم لوگوں کو کہتے ابھی وہ کیا کہہ رہا تھا؟، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پہ اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے راستے پہ چل رہے ہیں)۔ جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی جس سے ان کے منصوبے کھل جانے کا خطرہ ہوتا تو آنکھ بچا کر کھسک جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ﴾ [التوبۃ۹: ۱۲۷] (اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی انہیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کا دل ہی پھیر دیا ہے، اس لیے کہ یہ سمجھ سے کام لینے والے لوگ نہیں)۔ یہ لوگ آپس میں رابطے مضبوط رکھتے، اپنے منصوبوں سے ایک دوسرے کو مطلع رکھتے، تخریبی سرگرمیاں پوری منصوبہ بندی سے کرتے، جہاد کے وقت بہانے بنا کر نکل جاتے، اپنی جان بچا کر مسلمانوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے، اگر اتفاقاً جہاد وغیرہ کا کوئی حکم ان کی موجودگی میں آ جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیگی بلیاں بن کر دیکھتے، مگر جب خوف کا مرحلہ گزر جاتا تو مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت اور دیگر معاملات میں بحث کرتے اور بد زبانی کرتے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا. اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا﴾ [الأحزاب ۳۳:۱۸- ۱۹] (اللہ تم سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے، جو مانع ہوتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ، اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں، تمہارے حق میں بخیل ہو کر۔ پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ

وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں، مال پر حرص لیے ہوئے، یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بے کار کر رکھے ہیں، اور یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے)۔ ان کی اسی چال کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا. وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا. وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ [الأحزاب ۳۳: ۱۲-۱۴] (اور جب کہ منافقین اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہنا شروع کردیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے کا ہی وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوا جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب کے لوگو! یہاں ٹھہرے رہنا تمہارے بس کی بات نہیں، واپس لوٹ جاؤ اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔ ادھر ان کی حالت یہ تھی کہ آس پاس سے اگر کچھ لوگ آ نکلتے اور انہیں فساد کی دعوت دیتے تو یہ لوگ کچھ توقف کے بغیر وہاں پہنچ جاتے)۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر باقاعدہ اس کے لیے راتوں کو میٹنگیں منعقد کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن بھر کے ارشادات اور اقدامات پر بحث کرکے ان کا توڑ تلاش کرتے، منصوبہ بندی کرتے اور اس کے مطابق رائے عامہ خراب کرنے کے اقدامات کرتے۔ ان کے مشوروں کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں آیا ہے: ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ [النساء۴: ۸۱] (اور یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اطاعت قبول ہے، لیکن جب آپ کے پاس سے باہر جایا کرتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت اس کے علاوہ کچھ اور مشورے کرنے میں رات گزار دیتی ہے جو آپ کہتے ہیں۔ اور اللہ ان کے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے۔ آپ ان کی طرف توجہ ہی نہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، کام بنانے کے لیے اللہ کافی ہے) دوسری جگہ فرمایا:﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا﴾ [النساء۴:۱۰۸] (یہ لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے جبکہ وہ ان کے ساتھ اس وقت بھی ہوتا ہے جب وہ رات کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اسے پسند نہیں، اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے)۔ یہ لوگ حساس قسم

کے سرکاری راز عوام الناس میں پھیلا دیتے تھے، قرآنِ مجید نے دفاعی رازوں کو پھیلانے کے بارے میں ان کی خصوصی گرفت فرمائی اور ارشاد فرمایا:﴿وَ اِذَاجَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلاً﴾ [النساء۴:۸۳] (اور جب انہیں کوئی امن یا خوف کی بات پہنچتی ہے تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسے رسول یا متعلقہ حکام کے حوالے کر دیتے تو باریک بین لوگ خود ہی معاملے کو سمجھ جاتے۔ اگر تم پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی اور اس کا فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتا تو چند لوگوں کے سوا تم سب لوگ شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے) ظاہری ٹیپ ٹاپ اور معتبر نظر آنے کا اہتمام ان میں انتہا کا تھا، مگر خوف کا یہ عالم تھا کہ ذرا سی آہٹ پہ چونک جاتے جس کے لیے آج کل کی زبان میں Good Appearance ، Status Concious اور well aware of their security وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں، ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [المنافقون۶۳:۴] (جب آپ ان کو دیکھیں تو آپ کو ان کے قدوقامت بڑے خوشنما لگیں گے اور اگر یہ بات کریں تو آپ ان کی بات غور سے سنیں گے، گویا کہ یہ سہارے سے لگائی ہوئی لکڑیاں ہوں، ذرا سی آہٹ پر چونک جاتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں، آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ اللہ ان کو برباد کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں) یہ تو ان کی تنظیمی سرگرمیوں کا تذکرہ ہوا، رائے عامہ خراب کرنے اور ریاستِ اسلامیہ کے نظریے کے بارے شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے ان کا جو طریقۂ واردات تھا قرآنِ مجید میں اس کی بھی کئی صورتیں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر ایک اور آیت نقل کی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [ال عمران۳:۷۲] (اور اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس سے انکاری ہو جاؤ، عین ممکن ہے وہ بھی پھر جائیں)۔ اس طائفہ کو اسی لیے منافق کہا گیا کہ یہ سرنگ کی طرح اندر گھسے رہتے اور ظاہر کچھ اور کرتے رہتے۔ ابتدائے اسلام میں ان کی سرگرمیاں صرف نظریاتی فساد تک محدود رہیں جب کہ ان کی مدد سے مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین نے مسلم ریاست کے خلاف عملی کارروائیاں کیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی علامات تو بتا دیں مگر ایک ایک کا نام معلوم ہونے کے باوجود ریاست کے امن و امان اور اسے بری شہرت سے بچانے کے لیے ان کے خلاف تادیبی

کارروائی نہیں کی ۔ ایک مقام پر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی ایک واضح اسلام دشمن حرکت سامنے آنے کے بعدجب آپ کو اسے قتل کرنے کا مشورہ دیاگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعه لا يتحدث الناس أن محمدا يقتل أصحابه (۱۸)

(جانے دو، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں)

چونکہ یہ لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ا س لیے ریاست کی طرف سے ان کے خلاف باقاعدہ کوئی کارروائی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے یہ آہستہ آہستہ ریاستِ اِسلامیہ کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور اس قدر جری ہوگئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے کے بعد باقاعدہ ٹارگٹ کلنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں مسلمان کئی قیمتی اسلامی شخصیات سے محروم ہو گئے، جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ جیسی جلیل القدر شخصیات بھی شامل ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ان کے ہمہ جہت نظریاتی اور عسکری حملوں کو سختی سے کچل دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں انہیں کھل کر کھیلنے کی جرأت تو نہ ہوئی مگر خفیہ منصوبوں کے نتیجے میں آپؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت سے لیکر بعد کے زمانے میں ہونے والے فسادات میں اسی گروہ کا بنیادی کردار رہا جس کی وجہ سے امت اِسلامیہ کا بھاری نقصان ہوا اور متحارب گروپوں میں صلح کی تمام کوششیں بھی خفیہ ہاتھوں کے عمل دخل سے دم توڑتی رہیں۔ منٹگومری واٹ نے اس گروہ کو مسلم حزب اختلاف (Muslim Apposition) اور میثاق مدینہ کی مذہبی آزادی والی شقوں کو سیاسی چال قرار دیا ہے۔(۱۹)

واضح مخالفت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے یہاں یہود معتبر سمجھے جاتے تھے۔ اوس خزرج کی لڑائی انہیں مزید کھل کر کھیلنے کا موقع دیتی تھی کہ یہ ان دونوں کے درمیان مخالفت تیز کرکے اپنی معتبر حیثیت کو مزید جلا بخشتے تھے۔ اِسلام آیا تو اوس اور خزرج کی لڑائی ختم ہوگئی، ادھر مہاجرین و انصار بھی بھائی بھائی بن گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کے ذریعے مختلف مذاہب میں بھی اختلافات کے باوجود امن کا معاہدہ قائم فرما دیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے مدینہ منورہ ایک پر امن ریاست بن گئی جسے وفاقی طرز کا دستور بھی میسر آیا اور ہر شہری کو بنیادی حقوق بھی ملے اور ہر ایک کو مذہبی آزادی کی ضمانت بھی دی گئی۔ یہ پر امن ماحول یہود کی معتبری کے لیے راس نہیں تھا، انہیں اپنا اعتبار جمانے کے لیے کچھ گروہ بندی کی ضرورت تھی، جو کہ اب میسر نہ تھی، عبد اللہ بن سلام جیسے یہودی علامہ اور مرجع کے مسلمان ہونے سے ان کی

شہرت کو مزید نقصان پہنچا۔ اس کی بجائے انہیں منافقین کی صورت میں ایک زبردست قوت میسر آئی جنہوں نے ہر محاذ پر ان کا خوب ساتھ دیا جیساکہ آئندہ سطور میں اس کی کچھ مثالیں معلوم ہوں گی۔

یہود کی اندرونی مخالفت اس وقت کھل کر سامنے آگئی جب بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ دستورِ مدینہ کی رو سے کفارِ قریش اہل مدینہ کے دشمن قرار پائے تھے اور کسی فریق کو ان کی مدد کرنے، ان کو پناہ دینے یا ان کی مالی اعانت کرنے کی اجازت نہیں تھی کیوں کہ وہ ریاست مدینہ کے دشمن اول تھے۔ مدینہ کے یہود جو بظاہر اس دستور کو مان کر اس نوزائیدہ ریاست کے شہری قرار پائے تھے، فطری طور پر مسلمانوں کی مدینہ آمد سے ہی ناخوش تھے اور نبی آخر الزمان کی مدد کے بارے میں برس ہا برس سے مشہور کیے ہوئے اپنے پرانے دعوے پس پشت ڈال کر مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے خواہاں تھے۔ اس کے لیے دستور میں درج شدہ متفقہ قرار دادوں کو یکسر بھلا کر منافقین کے ذریعے اور خود اپنی خفیہ سرگرمیوں سے اہلِ مکہ کی مدد کر رہے تھے۔ قرآنِ مجید نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:﴿ وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.﴾ [البقرۃ ۲: ۸۹-۹۰] (اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے، تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو وہ اس سے کافر ہوگئے، پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ بہت بری ہے، یعنی اس جلن سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے۔ اس طرح وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوئے اور کافروں کے لیے رسوا کرنے والاعذاب ہے)۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۴۶] (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک فریق سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے)۔

جنگ بدر کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اپنے لیے خطرہ محسوس ہونے لگی اور انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا شروع کردیا، جس میں مسلمانوں کے ساتھ توہین آمیز رویے سے پیش آنا بھی شامل تھا۔

مدینہ کے قبائل یہود میں سے بنو قینقاع سب سے زیادہ طاقتور اور تعداد میں زیادہ تھے۔ وہ لوگ پیشے کے لحاظ سے زرگر تھے اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن ابی سلول کے حلیف تھے۔ جنگ بدر کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ واضح چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، جس میں کے اکثر واقعات دستور سے کھلی بغاوت اور جنگ کی دعوت کے مترادف تھے۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں اپنا کچھ سامان بیچنے کے لیے لائی، سامان بیچنے کے بعد وہ سنار کے پاس گئی اور کچھ زیورات خریدنے کی بات کرنے لگی۔ کچھ اوباش اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور اس سے حجاب اتارنے کا تقاضا کرنے لگے، جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو سنار نے اسے بے خبر پا کر اس کی قمیص کا ایک پلو اس کی کمر کے ساتھ باندھ دیا۔جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا جس پر ان سب نے قہقہہ لگایا اور خوب باتیں کیں۔ عورت نے مسلمانوں کو پکارا، ایک مسلمان نے بڑھ کر اس سنار کو مار ڈالا، یہودی اس مسلمان پر جھپٹ پڑے اور اسے شہید کردیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہود کو ان کے اپنے ہی بازار میں جمع کیا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی یاد دلایا کہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی پوری نشانیاں لکھی ہوئی ہیں لہذا وہ فساد بپا کرنے کی بجائے ایمان لے آئیں۔ اس پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ توہین آمیزاور دھمکی آمیز جواب دیا:

یا محمد ! إنک تری أنا قومک، لا یَغرَّنکَ أنک لقیتَ قوماً لا عِلمَ لهم بالحرب، فأصبتَ منهم فرصة، إنا واللہ لئن حاربناکَ لتعلمُنَّ أنَّا نحنُ الناس(۲۰)

(اے محمد! تو نے یہ سمجھا ہے کہ ہم تیری قوم کی طرح ہیں، کہیں اس دھوکے میں نہ رہنا کہ تمہارا ایسے لوگوں سے سامنا ہوا جنہیں جنگ کرنا نہیں آتی تھی تو تمہیں انہیں نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ہم لوگ! اللہ کی قسم اگر ہم نے تم سے جنگ لڑی تو تم دیکھ لو گے کہ لوگ تو ہم ہی ہیں)۔

اسی طرح معاہدہ توڑنے میں بھی انہوں نے پہل کی اور قلعہ بند ہو گئے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف بالآخر کارروائی کرنا ہی پڑی اور آپ نے ان کا محاصرہ کیا۔ ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا اور وہ اپنی جانوں، اپنی املاک، نیز عورتوں اور بچوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کرنے کی شرط پر قلعوں سے باہر آئے۔ اس میں بھی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا بڑا کردار رہا اور اس نے بہت اصرار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

سفارش کی کہ یہ میرے پرانے حلیف اور مدتوں سے میرے محافظ رہے ہیں لہذا ان کی جان بخشی کر دی جائے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیا، مگر چوں کہ یہ سٹیٹ کے اور اس کے نظریے کے تحفظ کا مسئلہ تھا اس لیے انہیں مدینہ سے بحفاظت نکلنے کا حکم دیا گیا، چناں چہ وہ شام کے علاقے اَذرِعات (۲۱) کی طرف چلے گئے۔(۲۲)

بنو قینقاع کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے قبائل نے بھی اسلامی ریاست کے خلاف اپنے حقیقی جذبات کا کھل کر اظہار کرنا شروع کردیا۔ایک اور بڑے یہودی قبیلے بنو نضیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش تیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کے ساتھ ان کے ہاں اس لیے تشریف لے گئے تھے کہ بنو عامر کی شاخ بنو کلاب کے دو آدمیوں کی دیت جمع کرنے میں ان سے تعاون حاصل کریں جنہیں عمرو بن امیہ ضمریؓ نے قتل کیا تھا۔واقعہ یوں ہوا کہ صفر سن ۴ ہجری میں مقام رجیع پر دس قراء صحابہ کی کفار کے ہاتھوں دھوکے سے شہادت کے بعد اسی مہینے میں بنو عامر نے ستر قراء صحابہ کو بغرضِ تعلیم دعوت دے کر بیر معونہ کے مقام پر شہید کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک صحابی عمرو بن امیہ ضمریؓ بچ پائے تھے۔ عمرو بن امیہؓ کو واپسی راستے پر بنو عامر کی شاخ بنو کلاب کے دو آدمی ملے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے بدلے میں انہیں قتل کر دیا۔ ان دونوں کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھا ہوا امان نامہ تھا، مگر عمروؓ کو معلوم نہیں تھا۔ جب انہیں امان کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت کے عرب کے رواج کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور ان کے حلیف یہودیوں سے دیت جمع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اسی سلسلے میں آپؐ بنو نضیر کے دیار میں گئے تو انہوں نے بظاہر بہت گرم جوشی سے استقبال کیا اور تعاون کا یقین دلایا۔ مگر آپس میں مشورہ کرکے آپؐ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی۔ وہ سازش یہ تھی کہ جس دیوار کے ساتھ آپؐ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، اس کے پیچھے سے آپؐ پر پتھر لڑھکا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔ اس سازش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر اِن سے لڑنے کی تیاری کرنے اور ان کی طرف پیش قدمی کا حکم فرمایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیش قدمی کی تو یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔(۲۳)چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے کھجوروں کے باغات کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا اور بعدازاں انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔ (۲۴)

یہودیوں میں سے بنو قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن اور کٹر کافر تھے۔

جنگِ احزاب کے موقع پر غزوۂ خندق ۵ھ میں انہوں نے مشرکینِ مکہ کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کیا۔ پہلے غزوۂ بدر کے موقع پر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا ساتھ دیا تھا۔ ان کے سردار کعب بن اشرف نے مشرکین مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا بھی تھا اور مسلمان عورتوں کے نام لے کر عشقیہ اشعار بھی کہے تھے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللّهِ الَّذِينَ كَفَرُواْ فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لاَ يَتَّقُونَ. فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾[الأنفال: ۵۵-۵۷] (یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر بار پر اسے توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔ اور اگر تم انہیں کہیں لڑائی میں پاؤ تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے پس ماندوں کو بھگاؤ۔ عجب نہیں کہ انہیں اس سے عبرت ہو)۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پچیس دنوں تک محاصرہ کیا، یہاں تک کہ یہ لوگ محاصرے سے تنگ آ گئے اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا۔ پھر انہوں نے اپنی مرضی سے سعد بن معاذؓ کی ثالثی کو قبول کیا اور انہی کے فیصلے پر قتل کر دیے گئے۔(۲۵)

خیبر کے یہودی: یہی لوگ غزوۂ خندق کا سبب بنے تھے جو مسلمانوں پر بڑا سخت دھاوا تھا۔ لہذا ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ ان سے لڑنے کے لیے نکل پڑے اور ان کے قلعہ جات کو فتح کر لیا۔ فتح کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ بعدازاں حضور ﷺ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت وہ زمینی پیداوار، یعنی باغات کے پھلوں اور کھیتوں کی فصلوں کی نصف پیداوار، مسلمانوں کو دیا کریں گے اور یہ کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو یہودیوں کو یہاں سے نکلنا پڑے گا۔(۲۶)

اجمالی طور پہ فریق معاہدہ یہود کی عہد شکنی کے واقعات کو ذکر کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ اندازہ کیا جاسکے کہ ریاست مدینہ کو اپنے شہریوں کے خلاف کیوں صف آراء ہونا پڑا۔ عہد شکنی کے مختلف واقعات میں یہ بھی واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ یہود کے کسی ایک قبیلے کی عہد شکنی کی خاموش تائید کرنے کے باوجود سب یہودیوں کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی بلکہ جب تک کسی قبیلے کی اپنی طرف سے عہد شکنی کی اور خطرناک کارروائی کا مظاہرہ نہیں ہوا اس کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔

ان تمام تفاصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو دستور کے مطابق مذہبی

اور معاشرتی آزادی حاصل ہے مگر جب وہ دستور ہی کے خلاف اقدام کریں یا ریاست کے وجود کے لیے خطرہ بن جائیں تو ان کے خلاف مؤثر کارروائی ضروری ہے۔

ب ۔ مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم شہری

غیر مسلم شہریوں کی دوسری قسم وہ ہے جو کوئی علاقہ فتح ہونے کے بعد مسلم ریاست کے زیر نگین آ جائیں۔ ان میں سے اگر کوئی اِسلام سے متأثر ہوکر خود بخود مسلمان ہو جاتاہے تو اسے مسلمانوں والے پورے حقوق مل جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں اوراسلام کی عمل داری تسلیم کر لیں اسلامی ریاست ان کی شخصی، مذہبی اور معاشرتی تحفظ کی ذمہ دار ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اِسلامی ریاست کی نظریاتی یا جغرافیائی سرحدوں کے خلاف کسی سرگرمی میں ملوث نہ ہوں۔ اسلام کا اصل مادہ ہی امن پر مبنی ہے اور اس کا نظام بھی امن وامان کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اس لیے اصل تو یہی ہے کہ سب انسان اس کے دائرے میں داخل ہو کر امن کے اس نظام سے منسلک ہو جائیں لیکن اگر کوئی شخص یا کوئی قوم اس نظام سے منسلک نہیں ہونا چاہتے تب بھی انہیں دنیا میں‌اسلام کے نظام امن سے منسلک رہنے کا حق حاصل ہے، آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو گا۔ اس کے لیے بھی اسلام میں واضح اصول موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱)۔ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل نہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.﴾ [البقرة۲:۲۵۶] (دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے، جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک بہت بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے کوئی شکستگی نہیں۔ اور وہ بڑا سننے اور جاننے والا ہے)۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُر............﴾ [الكهف ۲۹:۱۸] (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے) ترجمہ سے واضح ہے کہ دنیا میں کسی پر ایمان لانے کی زبردستی نہیں، البتہ ایمان نہ لانا آخرت میں‌قابل مؤاخذہ جرم ہے۔

(۲)۔ جو اسلام میں داخل نہ ہو اس کو یا اس کے معبودوں کو نازیبا الفاظ سے یاد نہ کیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام ۱۰۸:۶] (تم ان معبودوں کو مت گالی دو جن کووہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں کیوں کہ وہ ناسمجھی میں دشمنی پہ اتر کر

اللہ کوگالی دیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے ان کے اعمال کو مزین بنادیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہو گا تو وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے)

(۳)۔ کسی بھی پرانی دشمنی، پرانی مذہبی وابستگی یا مخالفت کی بنیاد پر انتقامی کارروائی نہ کی جائے، نہ اس بات کو دِل میں رکھا جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ [المائدۃ۵:۸] (اے ایمان والو! اللہ کے لیے قائم رہنے والے بن جاؤ، اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری ہے اس بنا پر تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، وہی تقوے کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے)۔ اس کی نہایت عمدہ مثال مکہ فتح ہونے اور مشرکین کے مکہ میں داخلہ بند ہونے کے درمیان کا وقفہ ہے جس میں مؤمنین کو ہدایت کی گئی کہ﴿وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا﴾ [المائدۃ ۵:۲] (اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم سے جو بیزاری تمہیں اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا تو تم اس کے باعث تم زیادتی کرنے لگو)۔

(۴)۔ اسی آیت کا دوسرا حصہ اپنے سیاق وسباق کی بنا پر یہ ہدایت فراہم کرتا ہے کہ خیر کے کاموں میں غیرمسلموں کے ساتھ تعاون کر کے معاشرے کو فائدہ پہنچایا جائے اور برے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے، اس سے بڑھ کر معاشرتی آزادی کیا ہوسکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ﴾ [المائدۃ ۵:۲] (نیکی اور تقوے کے کاموں میں تعاون کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)

(۵)۔ کسی بھی باہم متفقہ فیصلے یا صلح نامے کی صورت میں فریقہائے معاہدہ کے ساتھ مکمل وفاداری کی جائے۔ارشاد باری تعالیٰ:﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ﴾ [المائدۃ ۵:۱] (اے ایمان والے وعدوں کو پورا کرو) اور ارشاد باری تعالیٰ:﴿کَیۡفَ یَکُوۡنُ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ عَھۡدٌ عِنۡدَ اللّٰہِ وَ عِنۡدَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰھَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَکُمۡ فَاسۡتَقِیۡمُوۡا لَھُمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ.﴾ [التوبۃ۹:۷] (مشرکین کے لیے اللہ کے ہاں عہد کیسے ہوسکتا ہے، مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے جب تک وہ تمہارے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی ان کے عہد پر قائم رہو)۔

اسلام کے وسیع تر نظامِ امن کے اصولوں میں سے یہ چند ایک اصول ہیں۔ دیگر تفصیلات تفسیر اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔

جنگ کے بعد مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی طرف سے اسلام کی عمل داری قبول کرنے کے عہد کے بعد (جسے اسلام کی اصطلاح میں عہد ذمہ کہتے ہیں) غیر مسلم شہریوں کو اسلام وہ تمام حقوق عطا کرتا ہے جو کسی بھی مذہبی اور انسانی کمیونٹی کو ایک ریاست فراہم کر سکتی ہے، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کو وہ سہولیات بھی عطا کی ہیں جو انہیں ان کی اپنی ہم مذہب ریاستیں بھی نہ دے سکیں، اور گاہے بہ گاہے غیر مسلموں نے اس کا اعتراف بھی کیا۔ ذیل میں قرآن و سنت سے اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کو حاصل حقوق کے بارے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

غیر مسلم شہریوں کے حقوق قرآن کی نظر میں:

دنیوی زندگی میں مذہبی آزادی کا تذکرہ سطورِ بالا میں ارشادِ باری تعالیٰ:﴿لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ.﴾ [البقرۃ۲:۲۵۶](دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے) کے تحت ہو چکا ہے۔ دینِ اِسلام کی تبلیغ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین فریضہ ہونے کے باوجود اس میں زبردستی کے امکان کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ. فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ﴾ [الشوریٰ۴۲:۴۷-۴۸] (اپنے رب کی بات مان لو، اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آ جائے جسے اللہ کی طرف سے آ جانے کے بعد کوئی روک نہ سکے گا۔ اس روز تمہیں کوئی ٹھکانہ نہ ملے گا نہ کوئی اس سے بچنے کی صورت ہو گی۔ پھر بھی اگر وہ لوگ منہ پھیریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے۔) اسی قرانی حکم کے پیش نظر پوری اسلامی تاریخ میں ایسی مثال شاید ہی ملے جب کسی غیر مسلم نے شکوہ کیا ہو کہ اسے زبردستی اسلام قبول کرنے پہ مجبور کیا گیا ہے، البتہ عہد نبوی ہی سے اس بات کی مثالیں کثیر تعداد میں مل جائیں گی جب غیر مسلموں نے ذاتی یا قومی مفاد حاصل کرنے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور موقع ملتے ہی اسلام کی پشت میں زہریلا خنجر گھونپ کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہی۔

قرآن کریم عقیدہ و مذہب کی آزادی کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو مکمل داخلی خود مختاری بھی دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ.﴾ [المائدہ۵:۴۷] یعنی انجیل والوں کو چاہیے کہ اس چیز کے مطابق فیصلے کیا کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے۔گویا ہر مذہبی کمیونٹی کو مکمل داخلی خود مختاری حاصل ہے، نہ صرف عقائدو عبادات کی بلکہ اپنے ہی قانون اور اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کروائیں۔ چنانچہ عہد نبوی ہی میں قومی خود مختاری ہر قوم کو حاصل ہو گئی تھی۔کسی بھی غیر مسلم قوم پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پابندی نہیں تھی کہ وہ اپنے مذہبی، خاندانی، یا ذاتی نوعیت کے مسائل کا فیصلہ اسلام کے قانون کے مطابق کروائے لیکن یہ اسلام کے بے داغ نظام عدل کا کمال تھا کہ غیر مسلم اسلام کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے پہ زیادہ مطمئن ہوتے تھے۔

جہاں تک بات ہے جان کے تحفظ کی تو قرآن کریم نے اس میں بھی مسلم و غیرمسلم کے لیے کوئی دوہرا معیار نہیں رکھا بلکہ بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم سب کی جان کے تحفظ کا حکم دیا ہے اور کسی ایک انسان کے قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ [المائدۃ۵:۳۲]۔ (ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دیا تھا جو شخص کسی انسان کو قتل کرے بغیر اس کے کہ کسی جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد کی سزا دی جائے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی ایک انسان کو زندہ کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کردیا)۔

اسی طرح قرآن کریم نے ہندوؤں کی طرح اپنے غیر مذہبوں کو اچھوت سمجھنے کی بھی اجازت نہیں دی ہر طرح کے جائز معاملات کرنے کی کھلی آزادی دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ. وَّاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. لایَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ [الممتحنۃ ۶۰:۷-۸] (شاید اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا کردیں جن کے ساتھ تمہاری دشمنی تھی۔ اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والا، خوب بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان کے ساتھ بھلا کرو اور انصاف کا برتاؤ کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والواں کو پسند فرماتا ہے)

اگر مندرجہ بالا قرآنی تصریحات پر نظر ڈالیں تو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگتی کہ قرآن کریم

نے اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو بالخصوص اور دیگر امن پسند غیر مسلموں کو وہ تمام معاشرتی حقوق عطا کیے ہیں جو کسی بھی مذہبی کمیونٹی کے لیے بنیادی اور ضروری ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے سماجی، مذہبی اور سیاسی استحصال کی بالکل اجازت نہیں دی۔

غیر مسلموں کا تحفظ عہد رسالت میں:

غیر مسلموں کے متعلق قرآنی احکامات کو بروئے کار لانے کے لیے عہد رسالت میں جو تدابیر اختیار کی گئیں ان کی تفصیل مختصراً کچھ یوں ہے:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم و غیر مسلم دنیا میں اور بالخصوص غیر مسلم شہریوں اور مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی اور امن وآشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے تمام بنی نوع آدم کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور فرمایا :

أنا شهيد أن العباد كلهم إخوة (۲۷)

(یعنی میں اس بات کا گواہ ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں) ۔

(۲) تمام مذہبی مجموعوں کی مذہبی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے نصاریٰ نجران کو عہد دیا:

لا يهدم لهم بيعة ولايمنع منهم قس من أداء شعائرهم الدينية، ولا يُفتنون في دينهم ما لم يُحدثوا أحداثا يكون من شأنها نقض التزامهم .(۲۸)

یعنی یہودیوں کے عبادت خانے گرائے نہ جائیں اور کسی عیسائی پادری کو اپنی دینی عبادات کی ادائیگی سے روکا نہ جائے اور ان کے دین کے معاملے میں انہیں کسی آزمائش میں نہ ڈالا جائے۔ جب تک کہ یہ لوگ ایسے کام نہ کریں جن سے ان کی طرف سے عہد کی پابندی چھوڑ دینا ثابت ہوتا ہو۔

خالد بن ولید نے اہل یمامہ کو جو امان دی اس کے الفاظ یوں ہیں:

لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة وعلى أن يضربوا نواقيسهم فى أي ساعة شاؤا من ليل أ و نهار الا فى أوقات الصلاة وعلى أن يخرجو ا الصلبان فى أيام عيدهم .(۲۹)

یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں۔ یہ لوگ رات اور دن میں جب چاہیں ناقوس بجائیں البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے۔ یہ لوگ اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے منع نہ کیے جائیں۔

(۳) غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے بارے میں دربار نبوی سے درج ذیل ہدایت جاری فر مائی گئی:

لا یغیر أسقف من أسقفیته ولا راهب من رهبانیته ولا کاهن من کهانته ولا یخسرون ولا یعسرون.(۳۰)

کسی پادری کو اس کے عہدے سے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، کسی کاہن کو اس کی کہانت سے نہ ہٹایا جائے اور نہ کسی پر کسی قسم کی سختی یا تنگی کی جائے۔

(۴) قوموں کے درمیان لڑائی اور ٹکڑاؤ کا ایک بڑا سبب قومی عصبیت بھی ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نا سور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے حکم دیا:

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة.

وہ شخص ہم سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے۔ اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو۔ یہ عصبیت کیا چیز ہے؟ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أن تعین قومک علی الظلم (۳۱)

عصبیت اس چیز کا نام ہے کہ تم ظلم پہ نا جائز اپنی قوم کی حمایت کرو۔

(۵) کسی اقلیت کے ذہن میں یہ خیال آنا کہ ''ہم اپنے ہم مذہبوں سے دور غیر ہم مذہبوں کے درمیان لا وارث ہیں' ایک فطری سی بات ہے اور عام طور پہ اقلیتوں کے ساتھ ہوتا بھی ایسے ہی ہے، ملازمتوں میں کوٹہ نہ ہونے کے برابر دیا جاتا ہے، محنت کے بقدر معاوضہ نہیں ملتا۔ سہولیات زندگی کو بھی اقلیتوں کی پہنچ سے کسی نہ کسی طرح باہر ہی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر کم سے کم۔ یہ کوئی خیالی باتیں نہیں آج کل کے مہذب ملکوں میں ایسا ہو رہا ہے، اقلیتوں کے حقوق کے بزعم خود دعوے داروں کی عین ناک تلے اقلیتوں کے گھر، عزت، کاروبار غیر محفوظ ہیں۔ لیکن محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے بارے میں فرمایا:

ألا من ظلم معاهداً أو کلفه فوق طاقته أو أخذ منه شیأ بغیر طیب نفس فأنا حجیجه یوم القیامة (۳۲)

سن رکھو جو کوئی کسی معاہدے والے شخص پہ زیادتی کرے گا یا اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ اس پہ ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو قیامت کے دن، میں اس کا وکیل اور حامی ہوں گا۔

تاریخ بغداد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے:

من اٰذی ذمیا فأنا خصمه یوم القیامة، ومن کنت خصمه خصمته یوم القیامة (۳۳)

جس نے کسی ذمی کو اذیت دی تو اس کے مقابلے میں میں جرح کروں گا اور جس کا مدمقابل میں ہوا، قیامت کے دن میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

درج بالا دونوں فرامین سے اقلیتوں کے متعلق اسلام کے درج ذیل اصول معلوم ہوتے ہیں:

(۱) اقلیتوں پہ کسی قسم کی زیادتی کی گنجائش نہیں، خواہ کسی حوالے سے بھی ہو، ملازمتوں کے مواقع ہوں، سہولیات زندگی کا سوال ہو یا مذہبی آزادی کا معاملہ، کسی بھی حوالے سے زیادتی کی گنجائش نہیں۔

(۲) محض اقلیت ہونے کے جرم میں حق تلفی کی اجازت نہیں۔

(۳) غیر مسلم ماتحتوں سے بھی گنجائش سے زائد کام لینے کی اجازت نہیں۔

(۴) غیر مسلموں کی دل آزاری کی بھی گنجائش نہیں۔

(۵) حیلوں بہانوں سے غیر مسلموں کا مال ہڑپ کرنے کی بھی اجازت نہیں، اگر واقعتاً غیر مسلموں کے مال کی ضرورت ہے تو جیسے ایک مسلمان کا مال اس کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا اسی طرح غیر مسلم کا مال بھی اس کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) غیر مسلموں کو عدم تحفظ کا خیال نہیں ہونا چاہیے، دنیا میں ان کے حقوق کے تحفظ کے متعلق یہ ہدایات ہیں اور اس انتظام کے باوجود کوئی ظالم اگر قانون کی گرفت سے بچ جائے تو آخرت کی جواب دہی سے ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اور آخرت میں ان کا مقدمہ لڑنے والا کوئی اور نہیں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

اقلیتوں کے حقوق کے متعلق کچھ اصول ان معاہدات میں ذکر کیے گئے ہیں جو عہد نبوی میں بعض غیر مسلم اقوام سے کیے گئے تھے۔ ان معاہدات میں سے ایک معاہدہ نجران ہے۔ یمن جب اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام درج ذیل مکتوب گرامی لکھ بھیجا:

و لنجران و حاشیتها جوار الله و ذمة محمدالنبي رسول الله علی أموالهم وأنفسهم و أرضهم وملتهم وغائبهم وشاهدهم وعشیرتهم وکل ما تحت أیدیهم من قلیل أوکثیر لا

يغير أسقف من أسقفيته، ولا راهب من رهبانيته، ولا كاهن من كهانته، وليس عليه دنية، ولا دم جاهلية، ولا يحشرون، ولايعشرون، ولا يطأ أرضهم جيش، ومن سأل منهم حقاً فبينهم النصف غير ظالمين، ولا مظلومين. (۳۴)

نجران اور اس کے مضافات میں رہنے والوں کے لیے اللہ کی پنا ہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت ہے کہ ان کی جان و مال محفوظ رہیں گے۔ ان کی اراضی، ان کا دین، ان کے موجود اور غیر موجود لوگ، ان کے خاندان، ان کی املاک خواہ کم ہوں یا زیادہ سب کے سب محفوظ و مامون ہوں گے کسی پادری کو اپنے منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا اور نہ کسی درویش کو اپنی عبادت سے روکا جائے گا ، کسی کاہن کو اپنی کہانت سے منع نہیں کیا جائے گا، اس کی عزت میں کمی نہیں کی جائے گی، نہ اس سے جاہلیت کے زمانے کا قصاص لیا جائے، نہ انہیں زبردستی فوج میں بھرتی کیا جائے گا اور نہ ان سے عشر وصول کیا جا ئے گا۔ ان کی اراضی کو فوجی پامال نہیں کریں گے اور جو ان میں سے اپنا حق مانگے اس کے ساتھ انصاف ہوگا، نہ وہ زیادتی کریں نہ ان پر زیادتی کی جائے گی۔

غیرمسلموں کا تحفظ عہد خلافت راشدہ میں:

عہدخلافت راشدہ میں اسلامی ریاست کی حدود مشرق و مغرب میں دور تک پھیل گئی تھیں۔ آئے روز کوئی نہ کوئی نیا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوتا رہتا تھا اور ان نئے شا مل ہونے والے علاقوں میں اکثر پورے کے پورے غیرمسلم علاقے ہوتے تھے۔ ان علاقوں کے لوگوں کے ساتھ عہد خلافت راشدہ میں کس طرح مثالی سلوک کیا جاتا تھا اس کی چند جھلکیاں ان معاہدات اور فرامین سے پیش کی جاتی ہیں جو وقتاً فوقتاً اقلیتوں کے متعلق دربار خلافت سے جاری ہوتے رہے۔

معاہدہ ایلیا

۱۵ھ میں جب بیت المقدس کے عیسائیوں نے بیت المقدس کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کر کے سر تسلیم خم کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ باقاعدہ ایک معاہدہ صلح کیا جو اسلام کی نظر میں اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے حقوق کی اہمیت کی عمدہ مثال ہے۔معاہدہ ایلیا کی چند شقیں یہ ہیں:

(ا) عمر نے ایلیا والوں کی جان، مال، کلیساؤں، صلیب کے نشانات، ان کے بیماروں، تندرستوں اور تمام اہل مذہب کو امان دی ہے کہ نہ تو ان کے عبادت خانوں کو رہائش گاہوں میں تبدیل کیا جائے گا اور نہ انہیں گرایا جائے گا۔ نہ ان میں یا ان کے احاطوں میں کوئی کمی کی جائیگی، نہ

ان کی املاک میں سے کوئی چیز گھٹائی جائے گی۔

(۲) دین کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں ہو گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ باہر سے لا کر ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی یہودی بسایا جائے گا۔

(۳) ایلیا والوں کو اہل مدائن کی طرح جزیہ دینا پڑے گا۔ ان کے لیے یہ بھی لازم ہو گا کہ ایلیا سے رومیوں اور چوروں کو باہر کریں۔ ان میں سے جو شخص وہاں سے نکلے اسے جان، مال کی امان ہو گی یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے محفوظ مقامات تک پہنچ جائیں۔ جو یہاں رہے گا اسے بھی جان کی امان ہو گی، البتہ ان میں سے جو جزیہ کی عمر کو پہنچ جائے گا اسے ایلیا والوں کی طرح جزیہ ادا کرنا ہو گا۔

(۴) ایلیا والوں میں سے جو رومیوں کے ساتھ جانا چاہے جا سکتا ہے اور اپنا مال بھی لے جا سکتا ہے۔

(۵) ان کے عبادت خانوں اور صلیبوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

(۶) ان کی جانیں محفوظ رہیں گی۔

(۷) ان کی عبادت گاہیں اور صلیبی نشانات بھی محفوظ رہیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے محفوظ مقامات پر پہنچ جائیں۔

(۸) جو چاہے رومیوں کے ساتھ چلا جائے اور جو چاہے واپس آ جائے، ان سے کچھ نہیں لیاجائے گا، یہاں تک کہ ان کی فصلیں تیار ہوجائیں۔

(۹) جب تک ایلیا والے جزیہ ادا کرتے رہیں گے اس وقت تک یہ لوگ اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور تمام مسلمانوں کی امان اور ذمے میں رہیں گے۔(۳۵)

اسلامی تاریخ میں ایک یہ معاہدہ ایلیا ہی نہیں بلکہ اس طرح کے معاہدات اور امان ناموں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ذیل میں چند ایک اور معاہدے اور امان نامے پیش ہیں:

عمرو بن العاصؓ کا اہل مصر کے لیے امان نامہ

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فتح مصر کے بعد جو امان لکھی اس کا متن کچھ یوں ہے:

یہ وہ تحریر ہے جو عمرو بن العاصؓ نے مصر والوں کو امان کے طور پر دی ہے۔ اہل مصر کی جانیں، ان کا مذہب، ان کا مال، ان کی عبادت گاہیں، ان کی صلیبیں، ان کی زمینیں، ان کے سمندر، سب محفوظ رہیں گے۔ نہ ان کی املاک میں دخل اندازی کی جائے گی، نہ ان میں کمی جائے گی۔۔۔۔(۳۶)

خالد بن ولیدؓ کا اہل دمشق کے لیے امان نامہ

۱۴ھ میں جب دمشق فتح ہوا تو خالد بن ولیدؓ نے اس موقع پہ اہل دمشق کو جو امان نامہ عطا کیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ پروانہ ہے جو خالد بن ولیدؓ نے اہل دمشق کو وہاں داخل ہوتے وقت دیا۔ بلا شبہ میں نے تم سب کو جان و مال اور عبادت خانوں کے لیے امان دی، تمہارے عبادت خانے گرائے نہیں جائیں گے، نہ کوئی ان میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اور تمام مؤمنین کی طرف سے ان چیزوں کا عہد ہے، جب تک یہ جزیہ دیتے رہیں گے سوائے بھلائی کے اور کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہوگی۔ (۳۷)

حضرت عمرؓ کا سپہ سالاروں کے نام خط

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ شام میں اپنی افواج کے سربراہوں کو یہ خط لکھا:

کہ وہ بستیوں میں زبردستی نہ گھسیں، شہروں میں رہیں اور ایک شہر میں صرف ایک مسجد بنائیں۔ ہر قبیلہ اپنے لیے الگ مسجد نہ بنائے جیسے کہ کوفہ، بصرہ اور مصر والوں نے بنائیں۔(۳۸)

غیر مسلم رعایا کے متعلق درج بالا امان ناموں اور ہدایات پر اگر ناقدانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں نظر آتا کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر طرح کی رعایت کا پاس و لحاظ کیا گیا ہو، جان، مال، شہر، عبادت خانے، مذہبی آزادی، غرض ہر چیز کے لیے امن و امان کا اقرار کیا گیاہے۔ اور یہ عہد و پیمان محض الفاظ کا گورکھ دھندا نہ تھے بلکہ مسلمانوں نے ان کی پاس داری کا ایسا ثبوت دیا ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خود غیر مسلم رعایا نے مسلمانوں کے حسن سلوک کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں مسلمان حکمرانوں کو ترجیح دی۔ تاریخ اسلام اس طرح کے واقعات سے بھری ہے، جب مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر غیر مسلموں نے اپنے ہم مذہب حکمرانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی حکومت کو بہ صد شوق قبول کیا۔ بطور مثال عہد خلافت راشدہ کا ایک واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور آپ کے حکام نے غیر مسلموں کے ساتھ عدل و مساوات کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا کہ وہاں کی رعایا مسلمانوں کی گرویدہ اور مدد و معاون بن گئی۔ وہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر متأثر ہوئے کہ انہوں نے ہر شہر سے کچھ لوگوں کو رومیوں کی جاسوسی کے لیے بھیجا جو ان

کی معلومات حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ تک پہنچایا کرتے تھے۔ پھر جب شام میں خلافت اسلامیہ کی شمالی سرحدوں پر رومیوں نے اپنی افواج جمع کردیں تو جن شہروں کے باشندوں سے صلح ہو چکی تھی ابو عبیدہ ؓ نے ایسے تمام علاقوں کے والیوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے شہریوں سے جتنا جتنا خراج وصول کیا ہے واپس کر دو۔ ا س کے ساتھ ہی انہوں نے ان شہریوں کے نام ایک خط لکھا جس میں کہا:

> ہم تمہارے مال اس لیے واپس کر رہے ہیں کہ دشمن نے جس قدر افواج ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع کردی ہیں اس کی خبر ہمیں مل گئی ہے۔ معاہدے میں تم لوگوں نے شرط رکھی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے مگر ان حالات میں ہمارے لیے اس کی پابندی کرنا ممکن نہیں۔ ہم نے جو کچھ تم سے لیا تھا وہ واپس کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور دشمن پر ہم نے غلبہ پا لیا تو تمہارے ساتھ کیے گے معاہدے پر اور جو کچھ اس میں طے پایا ہے ہم اس پہ قائم رہیں گے۔

یہ بات جب ان شہروں کے والیوں نے اہل ذمہ کو بتائی اور ان سے لیا ہوا مال انہیں واپس کر دیا تو انہوں نے کہا:

> ''اللہ کرے تم واپس ہمارے حکمران بن جاؤ اور رومیوں پہ فتح پاؤ۔ اگر رومی ہم لوگوں سے یہ مال لے چکے ہوتے تو کبھی واپس نہ کرتے بلکہ ہمارے پاس جو کچھ باقی ہوتا وہ بھی چھین لیتے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ رہنے دیتے''(۳۹)

یہ تو شریعت نے غیرمسلم شہریوں کے تحفظ کا اہتمام کیا ہے۔ اگربین الاقوامی برادری کے اس بارے میں اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات افسوس ناک ہے کہ اب تک نہ تو اقلیت کی متفقہ تعریف سامنے آئی ہے نہ ان کے حقوق کے بارے میں کوئی متفقہ لائحۂ عمل تیار ہو سکا ہے، جہاں کسی طاقتور ملک کا مفاد ہوتا ہے وہاں ضرورت کے تحت تعریف کرلی جاتی ہے اور ضرورت بدل جائے تو تعریف بدل دی جاتی ہے۔اقوام متحدہ نے اس کے بارے میں اجمالی سا ہدایت نامہ جاری کیاہے جس سے ایک اقتباس یہاں نقل کیاجاتاہے:

> UN Declaration of 18 December 1992 which states that ""States shall protect the existence of the National or Ethnic, Cultural, Religious and Linguistic identity of minorities within their respective territories and encourage conditions for the promotion of that identity. (۴۰)

اقوام متحدہ کے عالمی منشور شائع شدہ ۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء میں کہا گیا ہے کہ: ریاستیں قومی

اقلیتوں کے وجود کا تحفظ کریں گی، جن میں قبائلی، تہذیبی، مذہبی اور لسانی اقلیتیں سبھی شامل ہیں۔ وہ اقلیتوں کی پہچان قائم رکھنے کی بھی ذمہ دار ہوں گی اور اس پہچان کو ترقی دینے کے لیے حوصلہ افزائی کرنے کی پابند بھی ہوں گی۔

بین الاقوامی سطح پر اقلیتی حقوق کے بارے میں اقدامات اور ان کی کامیابی کے بارے میں ICELANDIC HUMAN RIGHTS CENTER کے شائع کردہ مضمون National Minorities کا مطالعہ شریعت اور انسانی قانون میں موازنے کے لیے خاصا مفید رہے گا۔(۴۱)

حواشی و حوالہ جات

1- Published by the office of Public Information, United Nations,Universal Declaration of Human Rights(Urdu), Reprinted in U.N. OPI/15-15377-June1965-5M

2- International Covenant on Civil and Political Rights 'Adopted and opened for signature, ratification and accession by General Assembly resolution 2200A (XXI)of 16 December 1966entry into force 23 March 1976, in accordance with Article 49

۳۔ لسان العرب(حقق)

۴۔ السنن الکبری للبیهقي،کتاب قسم الفیء والغنیمة، باب مایکون للوالي الأعظم ووالي الإقلیم من مال وما جاء فی رزق ، مکتبۃ دار الباز ، مکۃ المکرّمۃ ۱۹۹۴ء ۶: ۳۵۳، حدیث نمبر۱۲۷۸۸

۵۔ صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت۴: ۱۷۰۴

6- Gem Practical Dictionary- English into English and Urdu, Azhar Publishers, Lahore(minor)

7- ttp://en.wikipedia.org/wiki/United_Nations_Security_Council_veto_power#cite_ref-0]

(۱http://www.humanrights.is/the-human-rights-project/humanrightscasesandmaterials/humanrightsconceptsideasandfora/Undirflokkur/nationalminorities.

۸۔ شعب الإیمان، بیہقی:حفظ اللسان عما لایحتاج إلیه ،فصل، ومما یجب حفظ اللسان منه الفخر بالآباء ۷: ۱۳۱، حدیث نمبر ۴۷۷۳

۹۔ مسند الربیع بن حبیب الأزدی البصری،تحقیق محمد ادریس، عاشور بن یوسف،دار الحکمۃ، مکتبۃ الإستقامۃ، بیروت، سلطنۃ عمان: باب فی ذکر القرآن۱:۱۷۰

۱۰۔ سنن ترمذی: تفسیر القرآن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، ومن سورة الحجرات۱۱: ۴۳، حدیث نمبر ۳۱۹۳۔

۱۱. شعب الإیمان:حفظ اللسان عما لایحتاج إلیه، فصل، ومما یجب حفظ اللسان منه ، الفخر بالآباء۷: ۱۳۲، حدیث نمبر ۴۷۷۴، مسند امام احمد بن حنبل:حدیث رجل من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ،۵: ۴۱۱، حدیث نمبر ۲۳۵۳۶۔

۱۲۔ المقتفى من سيرة المصطفى، حسن بن عمر بن حبيب، دار الحديث ، القاهرة، ۱۹۹۶ء ، قصة سلمان الفارسي ا: ۲۴، رحلة إيمانية مع رجال ونساء أسلموا، عبد الرحمٰن محمود، موقع صيد الفوائد، الصحابي الجليل سلمان الفارسی ا:۵۵۳

۱۳۔ الرحيق المختوم : المرحلة الأولى من جهاد الدعوة إلى الله، الرعيل الأول،المكتبة الشاملة ا: ۵۶۔

۱۴۔ ۱۹۲۰ء میں جب League of Nations(تنظیم اقوام) کی بنیاد رکھی گئی تو اس وقت اس کے رکن ممالک کی تعداد آٹھ تھی، جن میں سے چار مستقل اور چار غیر مستقل تھے۔ ہر فیصلہ ان تمام رکن ممالک کے اتفاق سے کیا جاتا تھا اور کوئی بھی رکن ملک اس کی مخالفت کردیتا تو وہ فیصلہ کالعدم ہوجاتا تھا۔ پھر ۱۹۳۶ء میں جب غیر مستقل ارکان کی تعداد بڑھ کر گیارہ ہو گئی تو ہر ایک کو Veto power دینے سے کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنا نا ممکن ہونے کا خدشہ ظاہر کیا گیا۔ .[League of Nations Covenant, Article 5(1)]۔پھر ۱۹۴۴ء میں تنظیم اقوام کی بجائے اقوام متحدہ کی تاسیسی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ اس کے مستقل رکن صرف اس کے مؤسس ارکان: برطانیہ، چین، سوویت یونین اور ولایات متحدہ امریکہ ہوں گے اور اس کے تحت قائم ہونے والے کسی بھی ادارے میں پانچواں ملک فرانس بھی مستقل رکن ہوا کرے گا۔اقوام متحدہ کے چارٹر میں حکم امتناعی جاری کرنے کے اختیار (Veto power)کا واضح تذکرہ نہیں مگر مستقل ارکان کے متواتر باہمی مشوروں اور بحث مباحثے کے نتیجے میں جن میں ڈمبارٹن اواکس (Dumbarton Oaks)کے مقام پر اگست تا اکتوبر ۱۹۴۴ء اور یالٹا (Yalta)کے مقام پر ۱۹۴۵ء میں ہونے والے مباحثے زیادہ اہم ہیں.

[Edward C. Luck, "Creation of the Council", in (Vaughan Lowe, Adam Roberts, Jennifer Welsh and Dominik Zaum), ed. The United Nations Security Council and War: The Evolution of Thought and Practice since 1945, Oxford University Press, 2008. , pp.61-85, http://en.wikipedia.org/wiki/United_Nations_Security_Council_veto_power#cite_note-1]

۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کے باقاعدہ قیام ہی سے یہ بحث جاری ہے کہ ان پانچ رکن ممالک کی ویٹو پاور ختم کرکے اس کا متبادل نظام قائم کیا جائے کیوں کہ اس سے اقوام متحدہ کے فیصلوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس پر کتابیں اور تحقیقی مقالات بھی لکھے گئے ہیں مگر عملی طور پر اسے ممکن نہیں بنایاجاسکا۔

۱۵۔ نبی الرحمة، عبد الرحمٰن بن عبد الله، المكتبة الشاملة ا:۲۲۔(یہ دفعات قبائل کے درمیان دی گئی ضمانتوں کی وضاحت کرتی ہیں)

۱۶۔ العلاقات الدولية في الإسلام ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، اردو ترجمہ مولانا حکیم اللہؒ، ناشر شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد بحوالہ مجموعة الوثائق السياسية، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، ص ۱۵ وما بعد۔

۱۷۔ السيرة النبوية في دائرة المعارف البريطانية، وليد بن بليهش العمري، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة ا: ۳۹ بحوالہ سیرت ابن ھشام ۲: ۲۵۳-۲۵۴۔

۱۸۔ سنن ترمذی: تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومن سورة المنافقين ١١: ۱۳۱، حدیث نمبر ۳۲۳۔

۱۹۔ السيرة النبوية في دائرة المعارف البريطانية: قراء ة مادة محمد ورسالته، الشبهة الثامنة، دعوى اضطهاد الرسول لليهود الفاعلين في المجتمع المدني ا: ۴۴۔

۲۰۔ البداية والنهاية: سنة ثلاث من الهجرة، خبر يهود بني قينقاع في المدينة ۴:۴، المفصل في عوامل النص

والهزيمة ، على بن نايف الشحود: الباب الثالث، عوامل النصر الخاصة فى القرآن والسنة ، اليقين بوعد الله تعالیٰ ۱:۲٦۲، نهاية الأرب فى فنون الأدب : القسم الخامس من الفن الخامس ، ذکر غزوات الرسول صلى الله عليه وسلم ۱۷:۵۱۔

۲۱۔ شام میں ایک علاقے کا نام ہے، اس کو بعض اوقات یذرعات بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ سرزمین بلقاء اور اردن کے دارالحکومت عمان کے قریب تھا۔اِس وقت یہ علاقہ موجودہ ملکِ شام میں اردن کی شمالی حدود کے قریب ہے۔ یہاں کی شراب مشہور ہوتی تھی، پھر اس کی طرف نسبت سے بہت سے اہلِ علم بھی اَذرعی مشہور ہوئے۔ مختار الصحاح، زین الدین رازی ۱: ۱۰۷،معجم البلدان ۱: ۱۳۰، المحکم لابن سیده ۱: ۳۳۸،مراصد الإطلاع۱: ۴۷۔

۲۲۔ سيرة ابن هشام۲:۴۷ وما بعد، زادالمعاد ۲:۱۷

۲۳۔ الرحيق المختوم، مأساة بئر معونة، المكتبة الشاملة ۱:۲٦۸۔

۲۴۔ سيرة ابن هشام۲:۱۹۰ و مابعد، زادالمعاد ۲:۱۷ و مابعد

۲۵۔ سيرة ابن هشام۲:۲۳۳، زادالمعاد ۲:۲۷ وما بعد

۲٦۔ سيرة ابن هشام۲:۳۲۸ وما بعد، زادالمعاد ۲:۱۳۳ وما بعد

۲۷۔ سنن ابو داؤد: كتاب سجود القرآن، باب مايقول الرجل إذا سلم،دارالفکر، بیروت ۱: ۴۷۳، حدیث نمبر۱۵۰۸

۲۸۔ خاتم النبيين، المکتبۃ الشاملۃ ۳: ۱۸۰

۲۹۔ كتاب الخراج، ابو یوسف، المطبعۃ السلفیۃ، القاھرۃ، ۱۳۸۲ھ۱: ۱۴٦]

۳۰۔ الخراج ، حوالہ بالا ۱: ۷۲

۳۱۔ سنن ابوداؤد: كتاب الأدب، باب فى العصبية،المكتبة العصریۃ، بیروت۴: ۳۳۲، حدیث نمبر۵۱۲۱

۳۲۔ سنن ابوداؤد: كتاب الخراج والإمارة والفيء ، باب فى تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، حوالہ بالا۳: ۱۷۰، حدیث نمبر۳۰۵۲.

۳۳۔ تاریخ بغداد: باب الدال، دار الکتب العلمیۃ بیروت۸: ۳۷۰

۳۴۔ كتاب الخراج: باب فى قسمة الغنائم ، قصة نجران وأهلها، حوالہ بالا۱: ۷۲

۳۵۔ تاريخ الامم والرسل والملوک، طبری،ذکر فتح بيت المقدس، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲: ۴۴۹

۳٦۔ تاریخ ابن خلدون:الكتاب الثاني، ويشتمل أخبار العرب وأجيالهم ، ودولهم منذ بدء الخليقة،فتح مصر۲:۵۵۴

۳۷۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر:عن دمشق والشام، باب ذكر ماشترط صدر هذه الأمة عند افتتاح الشام، دارالفکر، بیروت۲: ۱۸۱

۳۸۔ مختصر تاریخ دمشق،ابن منظور، المکتبۃ الشاملۃ ۱: ۱۰۲

۳۹۔ بین الاقوامی تعلقات، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ترجمہ ، مولانا حکیم اللہ، ناشر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اِسلامی یونیورسٹی، اِسلام آباد، ص۱۸۵-۱۸٦ بحوالہ کتاب الخراج، ابو یوسف، ص ۱۳۸، فتوح البلدان، ص۱۴۳

40- http://en.wikipedia.org/wiki/National_Commission_for_Minorities[

41-http://www.humanrights.is/the-human-rights-project/humanrightscasesandmaterials/humanrightsconceptsideasandfora/Undirflokkur/nationalminorities/

☆☆☆☆☆